سلسلۂ مطبوعات سلطانی
نمبر ۱

دل کے آنسو

JAF & CO.
Plot # 43/4, Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

از رئیس احمد جعفری

قیمت عہ

مطبوعہ سلطانی فائن آرٹ لیتھو اینڈ پرنٹنگ پریس بمبئی ۳

فہرس

نمبر شمار		صفحات
۱	قسمت	۵ تا ۲۲
۲	چوٹ	۲۳ ، ۳۹
۳	ملاپ	۴۰ ، ۵۱
۴	خواب	۵۲ ، ۶۷
۵	دیدۂ تر	۶۸ ، ۸۰
۶	آخری فیصلہ	۸۱ ، ۹۶

قسمت

(۱)

ڈپٹی صاحب سے لیکر ادنیٰ نوکر تک، بیگم صاحبہ سے سب بید لرزاں کی طرح کانپتے تھے، ان کا غصہ اعدا کی پناہ، ایک دفعہ ڈپٹی صاحب کو بھرے گھر میں وہ سنائیں کہ بیچارے دم دبا کر مردانہ میں جا بیٹھے، اور وہاں بھی چین سے نہ بیٹھ سکے، کیونکہ بیگم صاحبہ کے نعروں کی لرزہ خیز گونج وہاں بھی پہنچ رہی تھی، ہاں ان کی بارگاہ میں اگر کوئی شوخ اور گستاخ تھا تو جاوید، یہ ان کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا، اور اس پر انہوں نے اپنی ساری متاع محبت قربان کر دی تھی، وہ کیسی ہی شرارت کرے، کیسا ہی نقصان کرے، کسی کو باہر قتل کیوں نہ کر آئے، لیکن بیگم صاحبہ کی ممتا بھری گود اسے پناہ دینے کے لئے ہر وقت موجود تھی، وہ ان کا چہیتا تھا، لاڈلا تھا۔

یوں تو بیگم صاحبہ کسی سے بھی سیدھے منہ بات کرنے کی روادار نہیں تھیں، لیکن لاڈو سے تو انہیں بغض للہی تھا، بیچاری کی بساط ہی کیا تھی، ابھی نو یا دس برس کی چھوکری تھی لیکن بیگم صاحبہ کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، نہ معلوم کیا بات تھی کہ وہ اسے ہر طرح کی سزائیں دیتی تھیں، لیکن "نکال باہر" نہیں کرتی تھیں، اگرچہ اس کی دھمکی دن میں

کئی کئی بار دیا کرتی تھیں، شاید اس لئے کہ جاوید اس کی شفاعت کیلئے آن موجود ہوتا تھا، اور وہ اس کی فرمائش کسی طرح رد نہیں کر پاتی تھیں،

جاوید کی عمر کوئی ۱۶-۱۷ سال کی ہوگی، بڑا خوبصورت طرحدار لڑکا تھا، اس سال وہ انٹرنس کے امتحان کی تیاریاں کر رہا تھا،

لاڈو ۹-۱۰ برس کی چھوکری تھی، اس کی ماں اس... گھر کی ماما تھی وہ عرصہ ہوا اس جہان فانی سے رخصت ہو چکی تھی، بیگم صاحبہ ہی نے اسے پیٹ پیٹ کر پالا تھا، لاڈو، ابھی کمسن تھی، لیکن آثار کہے دیتے تھے، آگے چل کر قیامت ہوگی، رنگ تو کچھ ایسا زیادہ گورا نہیں تھا، لیکن پھبن تھی کہ پھٹی پڑ رہی تھی، میلے کچیلے کپڑوں میں بھی وہ رانی معلوم ہوتی تھی، وہ گھر کی خادمہ تھی، نہایت ذلیل خادمہ ہر ہر منٹ پر بیگم صاحبہ کی مچھیوں اور جھڑکیوں سے سرفراز ہونے والی خادمہ لیکن ابھی سے غضب کی باوقار، بیگم صاحبہ اسے مارتے مارتے لہولہان کر دیں، لیکن کیا مجال ہے جو وہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لے، یا اپنی خطا کا اقرار کرلے، یا دوسری معمر خادماؤں کی طرح زور زور سے چیخنا، چلانا اور رونا شروع کر دے، وہ اپنی صفائی میں بھی کچھ نہیں کہتی تھی، بڑی شان سے، بیگم صاحبہ کی مار کھایا کرتی تھی، اس وقت تک چپ چاپ کھڑی مار کھایا کرتی تھی، جب تک بیگم صاحبہ ہلکان ہو کر، مزید مار پیٹ کسی آئندہ وقت کیلئے ملتوی نہ کر دیں یا جاوید آ کر ماں کے گلے میں ہاتھ نہ ڈال دے اور "اماں بس" اب جانے دو کہہ کر، اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے سے نہ ہٹا دے،

ایسے موقع پر بھی لاڈو جان بچا کر بھاگتی نہیں تھی، بلکہ آہستہ آہستہ خراماں خراماں اپنی کوٹھری کی طرف اس طرح جاتی تھی، جیسے کوئی خود مختار ملکہ اپنے

دربار کی طرف جا رہی ہو،

اس کی ان حرکتوں سے دوسرے لوگ متاثر ہوتے تھے، یا اظہار حیرت کرتے تھے، لیکن بیگم صاحبہ "دیکھو تو موئی بے غیرت کو، اب بھی اس کا مار کھانے سے جی نہیں بھرا" ضرور فرماتی تھیں، ان کا یہ مستقل خیال تھا، کہ لاڈو اگر دن میں تین چار مرتبہ "جی بھر کے" نہ پٹ لے، اس کا کھانا نہیں ہضم ہوتا!

(۲)

گرمی کا موسم تھا، کمرہ میں خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں، برقی پنکھا پوری تیزی کے ساتھ چل رہا تھا، لاڈو بیگم صاحبہ کے پاؤں دبا رہی تھی، اور وہ استراحت فرما رہی تھیں،

اس گرمی میں یہ ٹھنڈی ہوا، جو ملی تو لاڈو اونگھنے لگی، ایک مرتبہ وہ اونگھتے اونگھتے بیگم صاحبہ پر سجدہ کناں دراز ہو گئی،

کچھ دیر تک تو بیگم صاحبہ، اس بوجھ کو سہتی رہیں آخر وہ بیگم صاحبہ تھیں طبع نازک کب تک اس بار گراں کی متحمل ہوتی، آنکھ کھل گئی، اور یہ دلچسپ منظر نظر آیا، انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک لات جو کس کے رسید کرتی ہیں تو لاڈو عرش سے فرش پر آ رہی، آپ نے کبھی چھت کی بلندی سے بختہ فرش پر چھپکلی کے گرنے کی آواز سنی ہوگی، ویسی ہی آواز اس وقت لاڈو کے گرنے سے پیدا ہوئی،

اور کوئی ہوتا تو بلبلا جاتا، لیکن لاڈو اس طرح کپڑے جھاڑ کر بیگم صاحبہ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، گویا وہ کہہ رہی ہے، دیر کاہے کی لو مارو!

لاڈو کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، اس نے کہا "پوچھ آؤں" یہ کہہ کر جیسے ہی وہ آگے بڑھی، جاوید نے اس کے دونوں گالوں کو پکڑ کر اس کا منہ واقعی چڑیلوں کا سا بنا دیا، اور کہا "جلدی آنا کہیں" وہ اپنے گالوں کو سہلاتی ہوئی آگے بڑھی اور جاوید، کوئی رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا،

تھوڑی ہی دیر میں لاڈو، واپس آئی وہ ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ جاوید نے پھر اس کے گالوں پر وہی عمل کیا، اور گالوں کو اپنی مضبوط انگلیوں میں دبائے دبائے سوال کیا "پوچھا"؟

"وہ کچھ نہیں بولیں، گھور کر میری طرف دیکھنے لگیں، میں چلی آئی"

جاوید ہنسا، اور کہنے لگا، جا کہدے بھیا ابھی آتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر لاڈو کے گالوں سے کھیلنا شروع کیا،

اتنے میں آہٹ ہوئی، جاوید رسالہ پڑھنے لگا اور لاڈو باہر چلی آئی

(۴)

ایک روز صبح صبح لاڈو آئینہ کے سامنے کھڑی ہوئی انگلیوں سے اپنے بال سنوار رہی تھی کہ بیگم صاحبہ آگئیں، انہوں نے جو یہ تماشہ دیکھا تو آگ بگولہ ہی تو ہو گئیں، چوٹی پکڑ کر جو اسے گھسیٹتی ہیں، تو... اس کا سر ان کے ہاتھ میں تھا، اور پاؤں پھیل کر، میز کے پائے سے جا لگے تھے، یہ معلوم ہو رہا تھا، کوئی باکمال رقاصہ اپنے بدن کو کمان کی طرح خم کئے ہوئے ہے بیگم صاحبہ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا، اور لاڈو تڑ سے بچھے فرش پر سر کے بل گری گرتے ہی سنبھلی، اور اس سنجیدگی سے پھر کھڑی ہو گئی، گویا یہیں بلکہ

بیگم صاحبہ نے گھور کر اسے دیکھا اور زبان فصاحت بیان سے گالیوں کا ڈونگرا برسانا شروع کر دیا، دیکھ تو مالزادی کو، کھا کھا کر کیسی اترائی ہے سونے کی اور بھی کوئی جگہ نہیں ملی، صاحبزادی میری ہی گود میں سو گئیں توبہ الٰہی ایسا بے غیرت بھی میں نے کوئی نہیں دیکھا دن بھر جوتے کھاتی ہے مگر ڈھیٹ ایسی ہے کہ دھول جھاڑ کے پھر کھڑی ہو جاتی ہے نہ جانے یہ عورت ہے یا چڑیل!"

چڑیل کا نام سنکر لاڈو ذرا چونکی، ڈر کر نہیں، تعجب سے، اس کے تصور میں چڑیل بڑی بدصورت "عورت" تھی اور وہ بارہا آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر خراج حسن وصول کر چکی تھی، یہ سن کر وہ یہ سوچنے لگی کہ بیگم صاحبہ غصہ میں ایسی خلاف واقعہ باتیں کیوں کرنے لگتی ہیں

تھوڑی دیر تک بیگم صاحبہ اس کے "پرکھوں" کا شجرۂ نسب سناتی رہیں، پھر انہوں نے کہا، جا دیکھ جاوید کیا کر رہا ہے، اگر جاگ رہا ہو تو بلاتی لانا۔

(۳)

لاڈو، جاوید کے کمرہ میں پہونچی، وہ بھی خس کی ٹٹیوں سے محصور، اور برقی پنکھے سے مخمور، نیند کے مزے لے رہا تھا، لیکن اب اس کی آنکھ کھل چکی تھی، اسنے لاڈو کی چاپ جو سنی تو آنکھیں کھول دیں، لاڈو قریب آئی، کچھ دیر تک تو سر کھجاتی رہی، پھر اس نے کہا "بی بی بلاتی ہیں"! یہ کہہ کر وہ واپس جانے لگی، جاوید نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑا، اس کے گال کو اپنی دو مضبوط انگلیوں سے دبایا، اور اسے چھوڑے بغیر پوچھا "کیوں بلاتی ہیں"؟

پر قدم رکھ چکی تھی، وہ اسوقت رعنائی و شباب کا مجسمہ بنی ہوئی تھی،
ایک روز بیگم صاحبہ نے لاڈو کو حکم دیا "جا "چھوٹے بھیا" کو بلا لا" جاوید اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا، کچھ پڑھ رہا تھا، لاڈو پہونچی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا
"کیا ہے"؟
"بی بی بلاتی ہیں"
"ادھر آؤ"
لاڈو پاس آ کر کھڑی ہو گئی،
"اب تو تم پھول کی طرح کھل گئی ہو"
لاڈو نے کوئی جواب نہ دیا۔
"تو اتنی خوبصورت کیسے ہو گئی لاڈو"
وہ اب بھی چپ تھی،
"جی چاہتا ہے تجھے دلمیں رکھ لوں"
اس کے چہرہ پر سرخی دوڑ گئی، لیکن لب اب بھی نہ ہلے"
"لاڈو، سچ بتا، تجھے کبھی میرا خیال ہے کچھ"؟
چہرہ کی سرخی اور تیز ہو گئی، لیکن وہ اب بھی خاموش رہی،
"پگلی کہیں کی بولتی کیوں نہیں؟"
مگر وہ خاموش ہی رہی"
"جاتا ہوں اماں سے کہتا ہوں لاڈو نے بڑے زور سے میرے چٹکی لے لی"
"اے واہ خود تو. . . . . ."
"خود تو کیا؟ میں نے کیا کیا"؟

نصیب دشمناں بیگم صاحبہ گرسی بھتیں،

بیگم صاحبہ نے فرمایا" بہت ادھما گئی ہے۔ کلموئی... ابھی سے لوگوں کو رجھانے اور پرچانے کے ڈھنگ سیکھ لئے ہیں حرامزادی نے تاک بھی لیا ہوگا، کسی مردوے کو!"

لاڈو چپ چاپ ایک مرجھائے ہوئے درخت کی طرح کھڑی بھتی

موصوفہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا،" لو اور دیکھو اب آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر کنگھی چوٹی کی جائے گی ذرا اس کا دیدہ تو دیکھو کیسا ہوائی ہوگیا ہے، بھول گئی اوقات اپنی موئی دو کوڑی کی چھوکری۔"

لاڈو اب بھی، ساکت وصامت کھڑی بھتی، جیسے کسی کھنڈر کا ستون

بیگم صاحبہ کا طوفان تکلم جاری بھتا،" ہماری برابری کرے گی، گندہ نالی کا کیڑا، آج کنگھی چوٹی کا شوق چرایا ہے کل کو تیل پھلیل سے رغبت ہوگی، پرسوں جاکر کوئی کوٹھا آباد کریجو"!

لاڈو اب بھی بے حس وحرکت کھڑی بھتی جیسے عدالت کے کٹہرے میں قتل کا مجرم کھڑا ہو،

بیگم صاحبہ نے پھر زبان کو جنبش دی" اور کیا، یہ زمانہ ہی ایسا آگیا ہے، موئی پاؤں کی جوتی سر پر" یہ فرمایا اور" دیکھ تو کیسا سمجھتی ہوں تجھ سے" کہہ کر باد بہاری کی طرح خراماں خراماں کمرہ سے تشریف لے گئیں،

(۵)

دن گزرتے گئے!

اب جاوید اچھا ہٹا کٹا جوان ہو چکا بھتا، اور لاڈو بھی شباب کی دہلیز

"کہہ رہے تھے، تم پھول ہو"

"اور"

"کہہ رہے تھے، تم بڑی اچھی لگتی ہو"

"اور"

"بس اور کچھ نہیں"

"پھر تو نے کیا کہا"؟

"کچھ نہیں"

"کچھ تو"

"میں چپ چاپ کھڑی رہی"

جاوید کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں" بیگم صاحبہ غصہ سے تھر تھر کانپ رہی تھیں، اب وہ جاوید کی طرف پلٹیں۔

"کیوں یہ سچ ہے"؟

"جاوید نے کوئی جواب نہیں دیا"

"بول لاڈو سچ کہہ رہی تھی"؟

"ہاں اماں"

"تو کیوں اس سے ایسی باتیں کرتا ہے"؟

"میں اسے چاہتا ہوں"

"ہائے میرے اللہ! تو اسے چاہتا ہے"!

"ہاں! میں اس سے شادی کروں گا"

"لو اور سنو! یہ اس سے شادی کریں گے"

"اماں یہ میرا فیصلہ ہے"

"تو ہم نے چٹکی کب لی"؟

"تو میں جھوٹ بولتا ہوں؟ میں جھوٹا ہوں"؟

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بیگم صاحبہ بصد جاہ و جلال تشریف لائیں، لاڈو اپنی جگہ پر جمی کھڑی رہی، جاوید کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، چہرہ کا رنگ اڑ گیا، ہوائیاں چھوٹنے لگیں،

"کیا ہو رہا ہے یہاں"؟

دونوں مجرم خاموش کھڑے تھے،

بیگم صاحبہ نے ایک تھپڑ پوری قوت سے لاڈو کے منہ پر مارا، فرمایا

"بول" (ایک اور تھپڑ)

"کوئی دیکھے تو اس حرافہ کو، آئی تھی میرے لڑکے پر ڈورے ڈالنے نمک حرام"

"یہ فرما کے وہ پھر، چند اور چانٹے لاڈو کے جڑنے والی تھیں کہ اس میں حرکت پیدا ہوئی، یہ نئی بات تھی، اس لئے بیگم صاحبہ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، اور انتظار کرنے لگیں کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے

لاڈو نے کہا

"یہی چھیڑ رہے تھے"

"کون چھیڑ رہا تھا جاوید"؟

"اور کون"

"کیا چھیڑ رہا تھا وہ تجھے"؟

"کہہ رہے تھے، جی چاہتا ہے، تجھے دل میں رکھ لوں"

"اور کیا کہہ رہا تھا یہ"؟

داعیہ نہیں ہوگا!"

یہ فیصلہ سنکر، سب دنگ رہ گئے، سب کی نظریں جاوید کے چہرہ پر جاکر جم گئیں کہ اس پر اس کا ردّ عمل کیا ہوتا ہے! لیکن وہ خاموش تھا، اس کے چہرہ پر ندامت یا پشیمانی کا کوئی جذبہ نہیں تھا،

مجمع پر خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ ڈپٹی صاحب کی آواز پھر بلند ہوئی "اب تم جاسکتے ہو جاوید ——— اور لاڈو تو بھی!"

جاوید نے خاموشی کے ساتھ لاڈو سے چلنے کا اشارہ کیا اور دونوں گھر سے باہر آگئے۔

اب رات ہوچکی تھی، کوئی دس بجے کا عمل ہوگا، سب سے پہلا سوال جاوید کے جانے کے بعد بیگم نے یہ کیا۔ "اس نے کھانا بھی تو نہیں کھایا وہ کھائیگا کیا"؟ یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگیں، آج شاید پہلی مرتبہ ڈپٹی صاحب نے انہیں ڈانٹا "ٹسوے نہ بہاؤ تم ہی نے اسے خراب کیا ہے!" زندگی میں پہلی مرتبہ بیگم صاحبہ نے خاموشی کے ساتھ ڈپٹی صاحب کی یہ بات سنی اور سر جھکا دیا۔

(۷)

جاوید کے لئے سب سے اہم سوال یہ تھا، کہ گھر سے تو نکل آیا لیکن اب لاڈو کو لے کر جائے کہاں؟ جیب میں ایک پیسہ نہیں، اور آنتیں ہیں کہ قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں، قیام وطعام! یہ دونو مسئلے اس وقت اور ابھی طے کرنے تھے،

وہ آگے آگے تھا، اور لاڈو پیچھے پیچھے، وہ چل رہا تھا لیکن اسے

"لیکن میرا فیصلہ اس کے بالکل خلاف ہے"
"تو میں زندہ بھی نہیں رہوں گا"
"ایسے ننگ خاندان کا مرنا ہی اچھا ہے"
یہ کہہ کر بیگم صاحبہ کمرہ سے نکل گئیں۔

(۶)

شام کو یہ مقدمہ ڈپٹی صاحب کی خانگی عدالت میں پیش ہوا، دونوں ملزم موجود تھے، وکیل صفائی کوئی نہیں تھا، ماں مدعی تھی، بڑے بھائی اور منجھلے بھائی، مدعی کے وکیل اور مختار تھے،
ڈپٹی صاحب نے گرجدار آواز میں پوچھا،
"جاوید! تم اپنے فیصلہ پر قائم ہو"!
"جی"!
"نالائق کہیں کا" بڑے بھائی بولے،
"اس نے تو ہم سب کی ناک کٹا دی" منجھلے بھائی نے ارشاد فرمایا،
"میں تو اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی" بیگم صاحبہ نے کہا۔
فضا میں کچھ دیر تک خاموشی کا سناٹا چھایا رہا، ڈپٹی صاحب کی گرجدار آواز، پھر بلند ہوئی، حاضرین گوش برآواز ہو گئے انہوں نے فرمایا
"جاوید، تم عاقل اور بالغ ہو، اپنی بھلائی برائی خود خوب سمجھتے ہو اگر لاڈو کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو، تو تم مختار ہو، لیکن آج سے اس گھر کا دروازہ تم پر بند ہے تمہیں آبائی جائداد کا ایک حبہ نہیں ملیگا میں تمہاری ہرگز کوئی مدد نہیں کروں گا، اس گھر کی کسی چیز پر تمہیں کوئی

بھر وہیں رہے،

صبح ہوئی، تو جاوید نے کہا۔

"اچھا بھائی مہمانی ختم، اب ہم چلے"

"کہاں جاؤ گے تم"!

"جدھر منہ اٹھ جائے"

"پاگل ہوئے ہو تم"!

"بھائی صاحب آپ ہمیں غیر سمجھتے ہیں" سلمیٰ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

غرض بحث و گفتگو کے بعد یہی طے ہوا کہ جاوید نوکری کی تلاش کرے اور جب تک کوئی معقول ملازمت نہ ملے مقصود کے ہاں رہے،

اسی دن شام کو قاضی صاحب بلائے گئے اور جاوید کا نکاح لاڈو کے ساتھ ـــــ پوری اسلامی سادگی کے ساتھ ہو گیا، لاڈو ابتک کھوئی کھوئی سی تھی، سمے نے اسے بہلانے کی، اور خوش کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن اس کی افسردگی دور نہیں ہوئی، وہ جاوید کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچاتی تھی،

رسم نکاح کے بعد، جب جاوید اور لاڈو میاں بیوی کی حیثیت سے ملے جاوید نے پوچھا،

"لاڈو تم خوش ہو"

"بہت!" یہ کہہ کر وہ رونے لگی،

"ارے تم روتی کیوں ہو"؟

"میری وجہ سے کس مصیبت میں آپ پڑ گئے"

"بیوقوف کہیں کی، یہ مصیبت ہے"!

"اور کیا"؟

یہ نہیں معلوم تھا کہ کہاں جا رہا ہے، اس کے پاؤں ایک نامعلوم منزل کی سمت اٹھ رہے تھے،

چلتے چلتے وہ ایک مکان کے سامنے ٹھٹکا، یہ مقصود کا گھر تھا، مقصود اس کا بچپن کا یار تھا، دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی، اس سال دونوں نے ساتھ ایم اے کیا تھا، اس نے کنڈی کھٹکھٹائی ایک چھوکرا باہر نکلا جاوید نے پوچھا،

"صاحب ہیں"

"جی ہاں ابھی کلب سے آئے ہیں"

"جاؤ بلاؤ"

تھوڑی دیر کے بعد، مقصود برآمد ہوا، اس نے دیکھتے ہی پوچھا

"ایں اسوقت؟ اور (لاڈو کی طرف اشارہ کرکے) یہ کون....؟

"ہم دونوں آج تمہارے مہمان ہیں، پہلے کھانے کا انتظام کرو! پھر باتیں ہوں گی، بھوک بڑے زور کی لگ رہی ہے!"

"ہاں ہاں آؤ" یہ کہہ کر مقصود، جاوید، اور لاڈو کو اپنے ساتھ لے کر اندر گیا، سلمٰے نے پوچھا،

"بھائی صاحب ان کی تعریف"؟

"یہ لاڈو ہیں سلمٰے" جاوید نے کہا۔

"کون لاڈو"؟

باتیں چھڑ گئیں، اب کہاں کا کھانا اور کہاں کا پانی، جاوید نے از اول تا آخر ساری کہانی سنا ڈالی،

مقصود نے ہمت بندھائی، سلمٰے نے حوصلہ بڑھایا، یہ دونوں رات

"تو کیا آپ ولی اللہ ہیں" ؟

"یہ آپ کیا چیز ہے ؟ تم کہونا !"

"اچھا تم سہی"

"ایک خوش خبری سنو گی"

"بتائیے تو ذرا"

"مجھے نوکری مل گئی"

"کہاں ؟"

"کلکٹر صاحب کے دفتر میں"

"کیا تنخواہ ملے گی"

"ڈیڑھ سو"

(۸)

لاڈو اور جاوید کی زندگی، بڑی مسرت کے ساتھ بسر ہو رہی تھی، اب وہ ایک الگ مکان میں رہتے تھے، مقصود کے ہاں آنے جانے کا سلسلہ جاری تھا۔

ایک سال کے اندر جاوید ایک خوبصورت سے بچّے کا باپ ہو گیا، لاڈو بڑے سلیقہ سے گھر کا کام چلا رہی تھی، جاوید نے اسے اپنے طور پر تھوڑی بہت انگریزی اور اردو بھی پڑھا دی تھی اب وہ کسی کام میں بند نہیں تھی چند روز تک جاوید کو ہلکا ہلکا بخار آتا رہا، پھر اس نے سرسام کی صورت اختیار کر لی، مقصود نے شہر کے بہترین حکیموں اور ڈاکٹروں کو جمع کر لیا، لیکن حالت بگڑتی ہی گئی،

یہ خبر بیگم صاحبہ کو بھی پہونچی، ڈپٹی صاحب تو سنکر خاموش ہو گئے لیکن

"ہشت، یہ تو عین راحت ہے۔"

"آپ کا گھر چھٹا، عزیز چھٹے، ماں باپ چھٹے، میں آپ کو کیسے خوش رکھ سکوں گی۔" پھر آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی شروع ہوگئی

"لاڈو، زندگی کی راحت اچھا کھانے اور پہننے میں نہیں ہے دل کی خوشی میں ہے میری شادی اگر کسی تعلقدار کی لڑکی سے کر دی جاتی تو بھی مجھے وہ خوشی نہ ہوتی جو آج ہو رہی ہے۔"

"لاڈو" (مسکرا کر لیکن ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ) "سچ"؟

"بالکل سچ"

لاڈو اسوقت خوشی سے بے قابو ہوئی جا رہی تھی، اسے دنیا کی سب بڑی نعمت مل گئی تھی، جس چیز کی وہ توقع بھی نہیں کر سکتی اسنے بغیر محنت ا کوشش کے اسے پالیا، اس نے بیگم صاحبہ کے سامنے "اعتراف" اس لئے کیا تھا، کہ وہ جاوید پر بھروسہ نہیں کرتی تھی، اس کا خیال تھا، حضرت ڈل جائیں گے، اور اپنی شرارتوں سے باز آجائیں گے، لیکن ہوا یہ کہ وہ اور سخت ہوگیا، اس نے لاڈو سے ——— ایک غریب چھوکری سے ——— محبت کا اعتراف کیا، اور دنیا کی ہر چیز چھوڑ کر اس کا ہو رہا، اسنے جاوید سے پو اب کیا ہوگا؟ کام کیسے چلیگا"؟

"اس کی تمہیں کیا فکر؟ نوکری کروں گا، کھاؤنگا، اور کھلاؤنگا"

"اگر نہ ملی نوکری تو"؟

"تو ہم تم دونوں فاقے کر کر کے ساتھ ساتھ مر جائیں گے ہے منظور"

"میں مر جاؤں گی لیکن تمہیں نہ مرنے دونگی"

"ہم میں کوئی نہ مریگا، اور ہم دونوں چین کی زندگی بسر کریں گے"

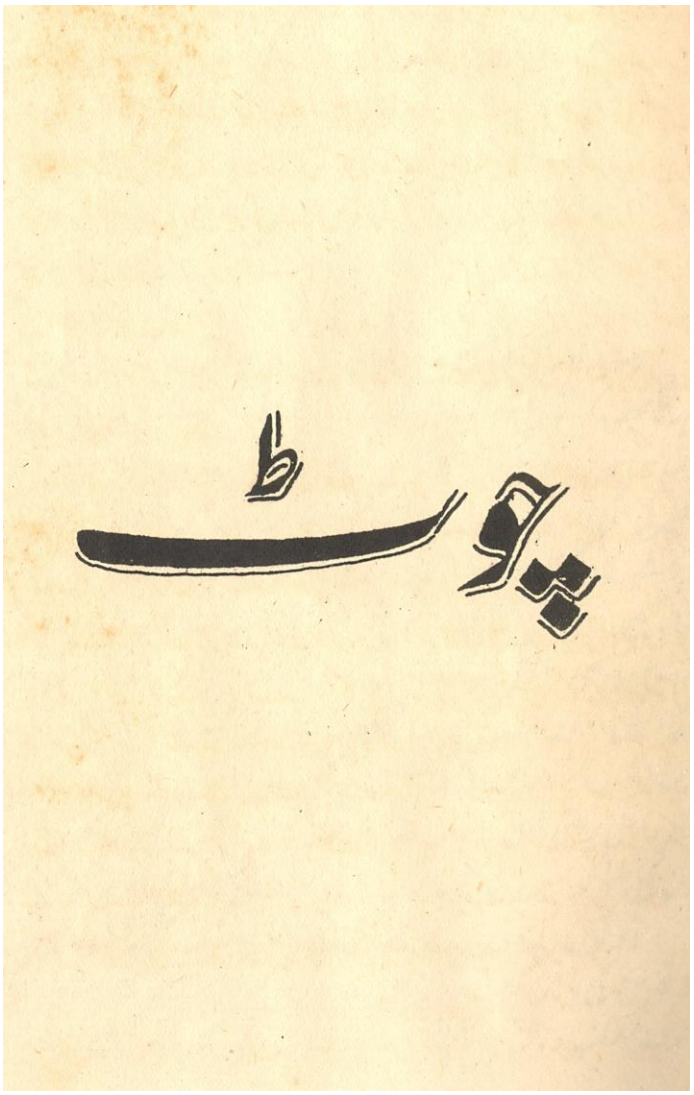
پیوست

بیگم صاحبہ مچل گئیں، کھانا پینا چھوڑ دیا، خود بیمار پڑ گئیں، ان کا اصرار ڈپٹی صاحب سے یہ تھا، کہ جاوید کو یہاں لاؤ، یہاں علاج کرو، ڈپٹی صاحب جاوید کو لانے کے لئے تیار تھے، لیکن لاڈو کو لانے پر کسی طرح تیار نہیں تھے بیگم صاحبہ کہتی تھیں، "وہ نالائق سہی، ہے تو میرا لڑکا، اور پھر وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہے، جو گھر کی ماماؤں اور نوکرانیوں پر ہاتھ صاف کر کے انہیں یونہی چھوڑ دیتے ہیں (یہ چوٹ ڈپٹی صاحب پر تھی) اس نے اگر کسی کا ہاتھ پکڑا تو اس کا ہو بھی رہا، نکاح کوئی گناہ نہیں ہے، خود ہی تو کہتے ہو اسلام میں سب برابر ہیں، پھر اگر جاوید نے ایک غریب مسلمان لڑکی سے شادی کر لی تو کیا برا کیا"؟

آخر ڈپٹی صاحب کو حسب معمول ہار ماننی پڑی، وہ جاوید، لاڈو، اور اپنے نوعمر پوتے کو خود جا کر لائے، تندہی سے علاج ہوا، ابھی زندگی باقی تھی، کچھ دن لوٹ پوٹ کر جاوید تندرست ہو گیا،

اب پھر گھر میں مالا کے دل پر جاوید کا راج ہے، گھر کا سارا بار "لاڈو بیٹی" پر ہے بیگم صاحبہ کسی کام میں ہاتھ بھی نہیں لگاتیں ساری ذمہ داری انہوں نے اپنی لاڈو بیٹی پر ڈال رکھی ہے،

جاوید کے جانے کے بعد، بڑے بھائی اور منجھلے بھائی بہت خوش ہوئے اب پھر وہ بگڑے بگڑے نظر آتے ہیں، کیونکہ بیگم صاحبہ نے اعلان کر دیا ہے کہ میں نے اپنے میکہ کی آدھی جائداد جاوید کے ہاتھ "بیچ ڈالی" باقی آدھی اور "اولاد" پر (جس میں جاوید بھی شامل ہے) تقسیم ہو گی،

(۱)

رشید اور الماس پھپھی زاد بھائی بہن تھے، دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے، ایک ہی گھر میں رہتے تھے، اس لئے خلا ملا اور میل جول میں غیر محسوس طور پر اضافہ ہوتا رہا، چپکے چپکے دونوں نے اپنے دل کی دنیا تعمیر کی تھی، رشید کے دل پر الماس حکومت کر رہی تھی، اور الماس کے دل پر رشید کا سکہ چل رہا تھا، لیکن دونوں اس راز کو چھپاتے تھے، ڈر لگتا تھا، کہیں راز کا یہ افشا خلاف توقع دشواریاں نہ پیدا کر دے الماس کی عمر ۱۴ برس کی تھی، اور رشید ۱۸ سال کا ہو چکا تھا، دونوں کا عنفوان شباب تھا، لیکن دونوں اس کی طوفانی کیفیتوں سے نا آشنا تھے، جذبات کے سمندر میں طوفانی سمندر میں ان کی کشتیٔ دل ہچکولے کھا رہی تھی، لیکن ان کی نظر ساحل پر تھی، ان کا خیال تھا، موجوں کا یہ تلاطم اور لہروں کا یہ خروش ان کی ناؤ کو بھنور میں نہیں ڈال سکتا پار لگا دیگا، ساحل مراد تک پہنچا دیگا۔

دونوں ایک دوسرے سے ملتے تھے، ہنسی مذاق کرتے تھے، لطف و تفریح کی باتیں کرتے تھے، لیکن دونوں کے دل کھٹکتے تھے، نہ جانے کیوں حرف مطلب زبان پر لاتے ہوئے دونوں ہچکچاتے تھے، کہیں ایسا نہ ہو

"یا اللہ، یہ کیوں؟"

"سنک اور کیا"؟

"آخر تم نے بھی کچھ سوچا"

"میں تو بار بار کہتی ہوں، آپا صغریٰ کی لڑکی سلیمہ سیانی ہو گئی ہے ماشاء اللہ ناک سک سے درست ہے، ہنرمند ہے، پڑھی لکھی بھی ہے گردو اسی سے بیاہ لڑکے کا، مگر ان کے منہ یہ جو نہیں چڑھی ہے تو ہزار نہیں لاکھ نہیں"

"ہاں سلمیٰ ہے تو بڑی پیاری لڑکی"

الماس لحاف میں پڑے پڑے سوچ رہی تھی، پھپھی کو مجھ سے کیا دشمنی ہے، جو میرا نام بھی نہیں لیتیں اور سلمیٰ پر صدقے قربان ہو رہی ہیں۔ ہاں وہ نک سک سے درست ہے اور میں؟ کھڑی ہو جائے، میرے ساتھ آئینہ کے سامنے چھپ نہ جائیں بی سلمیٰ حب کی بات، ہنر کیا سلمیٰ کو ہی آتا ہے، میں نہیں جانتی؟ ابھی پرسوں ہی تو پھپھا میری کشیدہ کاری کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے، وہ پڑھی لکھی ہے تو میں کب جاہل ہوں، اپنے درجہ میں ہمیشہ اول آتی ہوں، ذرا دیکھو تو پھپھی کو، گھر کے ہیرے پر نظر نہیں پڑتی ہے، باہر کے جھوٹے نگوں پر ریجھی جا رہی ہیں، لیکن پھپھی کی کیا خطا یہ ساری شرارت رشید ہی کی ہے اسی کا عندیہ پا کر پھپھی نے سلمے کی بات چیت اٹھائی ہو گی، اخاہ، ایک تیر میں دو شکار حضرت مجھ سے بھی پینگیں بڑھا رہے ہیں، اور سلمیٰ پر بھی ڈورے ڈالے جا رہے ہیں خدا ان مردوں سے بچائے بڑے خود غرض ہوتے ہیں یہ! وفاداری تو جانتے ہی نہیں کسے کہتے ہیں، عورت سے ان کا دل اتنی جلدی بھر جاتا ہے

کچھ سے کچھ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو بنی بنائی عمارت دھڑام سے زمین پر آ
ناکامی سے فریب آرزو اچھا، کوئی نئی بات نہو یہی بہت ہے، زندگی اسی
طور سے بسر ہوتی رہے اس کے علاوہ چاہیئے کیا؟

رشید کو الماس پر داعیہ سا تھا، الماس کو رشید پر بھروسہ تھا، کیوں
اس کی بنیاد کیا تھی؟ اس پندار اعتماد کا سبب کیا تھا، اسے کوئی نہیں جا
تھا، شاید جاننا چاہتا بھی نہیں تھا،

(۲)

رشید سنیما دیکھنے گیا تھا، الماس لحاف اوڑھے اس طرح لیٹی تھی، گویا
سو رہی ہے کمرہ میں انگیٹھی سلگ رہی تھی، بڑے زوروں کا جاڑا پڑ رہا
تھا۔ الماس کی ماں حمیدہ بانو بیٹھی ہوئی چھالیا کتر رہی تھیں کبھی کبھی انگیٹھی
سے ہاتھ سینک لیتی تھی، اتنے میں رابعہ بیگم آئیں، یہ رشید کی ماں تھیں انگیٹھی
کے سامنے بیٹھ گئیں، اور آگ تاپنے لگیں،

حمیدہ نے کہا

"آج کیسے ادھر بھول پڑیں"!

"وہ" دورہ پر گئے ہیں، رشید سنیما دیکھنے چلا گیا، میں نے کہا چلو
تمہیں سے باتوں میں جی بہلاؤں"

"اب تو اللہ رکھے رشید سیانا ہو گیا"

"ہاں اور کیا اٹھارویں میں ہے"۔

"کچھ اس کی شادی کا بھی فکر ہے"؟

"سب سے بڑے بے فکرے اس کے باپ ہیں" پھر بولیں
وہ تو کہتے ہیں شادی وادی کی ابھی کوئی ضرورت نہیں"

جتنی جلدی بچے کھلونوں سے سیر ہو جاتے ہیں، اب میں سمجھی حضور نے مجھے کھلونا سمجھ رکھا ہے،

رابعہ بیگم نے کہا،

"الماس کے لئے بھی کچھ سوچ رہی ہو"؟

"ابھی جلدی کیا ہے"؟

"اے لو جلدی نہیں ماشاء اللہ ۱۴ برس کی ہو گئی، اور کیا اسے ۲۰ برس تک بٹھائے رکھو گی"؟

"کوئی مناسب پیغام آئیگا، تو سوچ لیں گے، خود تو کہیں پیغام دینے سے رہے ہم"

الماس نے دل ہی دل میں کہا، اگر خود سے پیام دیدو گی تو کون سی قیامت آجائے گی، کون سا آسمان پھٹ پڑیگا؟ جیسی میں تمہاری لڑکی ویسا ہی رشید تمہارا لڑکا، پھپھا ابا سے اگر یہ کہدیں کہ میں تو رشید کو الماس سے بیاہوں گی، پھر ان کی مجال ہے کہ انکار کریں، اتنا تو مانتے ہیں انہیں پھپھی کی بات ٹال دیں گے، ان کی بات نہیں ٹالیں گے، مگر یہ نہ جانے اپنے تئیں کیا سمجھتی ہیں، منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی ہیں، نہ کہیں، میں بھی چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے کسی اور سے شادی کرنے ہی کی نہیں، کرونگی تو رشید سے، ورنہ .....!

توبہ توبہ، اماں چاہے، کسی اندھے لنگڑے لولے، اپاہج سے مجھے بیاہ دیں، "ہاں" کہدوں گی، مگر ان حضرت رشید کے بھتے نہیں چڑھنے کی! اوہو ذرا دیکھو تو مجھ سے کیسے کھلے ملے ہوئے ہیں اور پوجا ہو رہی ہے سلمےٰ کی، ماں کو اکسایا جا رہا ہے کہ وہ سلمےٰ کے ہاں پیام دیں، ایسے خود

غرض سے میں شادی کروں ناممکن ! پھپھا اور پھپھی ابا اور اماں، سارا خاندان ہاتھ جوڑے، تب بھی رشید کے ساتھ شادی نہیں کرنے کی، رشیا گر میرے پاؤں پر سر رکھدے، جب بھی اس کی طرف دیکھونگی نہیں،

اتنے میں زور سے کسی نے دروازہ کھولا حمیدہ بانو نے کہا،

"آگئے رشید تم"

"جی ہاں"

رابعہ بیگم بولیں،

"باپ کے سامنے تو بھیگی بلی بنے رہتے ہیں، مگر وہ دورہ پر گئے، اور صاحبزادہ نے سینما دیکھنا شروع کیا، ذرا دیکھو تو بارہ بج رہے ہیں رات کے اور اب آیا ہے یہ چھوکرا"

حمیدہ نے پوچھا۔

"کہاں گئے تھے رشید"؟

"منزل دیکھنے"

"اچھی ہے فلم"

"بہت اچھی آپ بھی ضرور دیکھئے"

رابعہ بیگم :۔ یہ لو خود تو دیکھ چکا اور گھر کی بہو بیٹیوں کو بھی دکھانے کا ارادہ ہے، چل ہٹ"

"اماں تم بھی"

"اور کیا یہی تو ایک کام مجھے رہ گیا ہے"

"میری خاطر سے بڑی اچھی فلم ہے اماں"

"چل دور بک بک نہ کر جا سو جا"

"تو نہیں چلو گی اماں"

"نہیں نہیں"

"اور (حمیدہ سے مخاطب ہو کر) آپ"؟

"دیکھا جائے گا بیٹے"

رابعہ نے رشید کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرہ میں چلی گئیں، حمیدہ بانو نے وظیفہ ختم کیا دستک دی، لال ٹین کی بتی نیچی کی، اور لحاف اوڑھ کر درود شریف پڑھنے لگیں،

(۳۳)

صبح ہوئی گھر کے لوگ کام دھندے میں لگ گئے، الماس نے ناشتہ کیا، اور اپنے کمرہ میں جا کر ڈپٹی نذیر احمد کی مرأۃ العروس پڑھنے لگی، اتنے میں آواز آئی،

"میں آسکتا ہوں"؟

"کون؟"

"خاکسار، ذرہ مقدار، عصیاں شعار، گنہ گار، عبدالرشید غفرلہ اللہ الحمید"

"تو منع کس نے کیا ہے آؤ نا"؟

"رشید اندر آیا، کتاب ہاتھ میں لے کر"

"آہا مرأۃ العروس پڑھی جا رہی ہے"

"تو آپ کو کیا"؟

"کون سی اچھی کتاب ہے یہ"

"واہ اتنی اچھی تو ہے"

"ایسی ایسی کتابیں دن میں دس لکھ سکتا ہوں سمجھیں الماس بیگم"؟

"یہ منہ اور ....."

"ہاں آگے کہو"

"(شرما کر) نہیں کہتے کسی کا اجارہ ہے"؟

"تم کچھ خفا ہو"؟

"آپ کو کیا"؟

"بتاؤ تو کیا بات ہوئی"؟

"کچھ نہیں"

"لگیں تکلف کرنے"

"ہم نہیں بتاتے"

"یہ کہہ کر الماس نے پھر مرأۃ العروس ہاتھ میں لے لی، اور نظر اسی پر جما دی، رشید نے کہا،

"تو میں جاؤں"

"میں کب کہتی ہوں یہ"

"زبان سے نہیں عمل سے تو کہہ رہی ہو"

"بیٹھئے، آج تو کالج بھی بند ہے، ہاں ہاں لیکن دیر ہو رہی ہوگی جائیے جلدی جائیے کہیں وہ خفا نہ ہو جائیں"

"وہ کون"؟

"کیوں بتائیں ہم، خود سمجھ جائیے"

"اتنا عقلمند ہوتا تو پھر کیا تھا"؟

"تو آپ بھولے ہیں"؟

"اماں تو یہی کہتی ہیں"
"ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے"؟
"اچھا تم کہہ ڈالو کیا ہوں میں"
"مجھے کیا حق ہے"
"پھر وہی باتیں"
"کہہ تو دیا کہ سلمےٰ کے ہاں دیر ہو رہی ہے اور کیا"
"سلمےٰ کے ہاں؟ کیا مطلب"؟
"مطلب وطلب میں نہیں جانتی"
"واللہ یہ تو معمہ ہے"
"میں نے مان لیا آپ بڑے بھولے ہیں اب تو سدھاریئے"
"چلا جاؤں"؟
"ہاں ہاں نہیں تو وہ خفا ہو جائیں گی"
"یہ سلمےٰ تمہیں کہاں سے یاد آگئی"؟
"وہ میری سہیلی ہے"
"اور میری"؟
"آپ کی ہونے والی....."
"پھر چپ ہو گئیں، پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو"
"آپ کی ہونے والی بی بی"
"یہ تم سے کس نے کہا"؟
"جس سے آپ نے کہا تھا"؟
"میں نے کہا تھا"؟

"جی"

"تم غلط کہہ رہی ہو"

"یونہی سہی"

"یونہی سہی کے کیا معنی؟ اتنی بڑی بات کہہ گئیں اور یونہی سہی خوب"

"اچھا تو سزا دے لیجئے"

"الماس بتاؤ تو یہ خیال تمہیں کیسے آیا"

"میں نے تو جو سنا کہدیا"

"کیسے سنا؟ کس سے سنا؟ کیا سنا؟"

الماس نے رات کی ساری سرگزشت رشید سے بیان کر دی، وہ غور سے سنتا رہا، پھر مسکرایا، کہنے لگا،

"اماں بھی عجیب چیز ہیں، جس بات کی دھن سوار ہو گئی، ہو گئی، ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں، سلمٰی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی، میں ہرگز اس سے شادی نہیں کرونگا، میں اسے اپنی بہن سمجھتا ہوں، اور اس مقدس رشتے کو کسی دوسرے رشتہ سے آلودہ نہیں کر سکتا، مگر وہ ہیں کہ مچلی ہوئی ہیں کہ نہیں سلمٰی سے شادی کر"

کمرہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا، الماس غور سے رشید کی باتیں سن رہی تھی، یہ تردید سن کر وفور مسرت سے اس کا چہرہ کھل اٹھا، رشید نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا،

"میں نے تو ایک دفعہ ابا کو بھی سنا دیا تھا کہ سلمٰی مجھے نہیں بھاتی"

"پھر انہوں نے کیا کہا"؟

"مجھ سے تو کچھ نہیں کہا، اماں کو منع کر دیا، میں تو مطمئن ہو گیا تھا۔

دکردار کا ہر شخص مداح و معترف تھا جس سے وہ ایک دفعہ مل لیتا، وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا، غرور تو اسے چھو بھی نہیں گیا تھا، سب سے بڑے انکسار اور فروتنی سے ملتا تھا،

اس حادثہ کا یوں تو سب پر اثر تھا، لیکن رابعہ کا رونا تو دیکھا نہیں جاتا تھا، گھر کی دوسری غمزدہ ہستی الماس کی تھی اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا، لیکن وہ ضبط سے کام لے رہی تھی، رابعہ بیگم اپنے دل کی بھڑاس رو رو کر نکال لیتی تھیں، لیکن الماس کو کلیجہ پر سیکڑوں کی سل رکھ کر اپنی آہیں دل کی دل ہی میں دبانی پڑتی تھیں، وہ کنواری لڑکی تھی، اسے زیبا نہیں تھا کہ اپنے غم کو رسوا کرے،

(۵)

دن گزرتے رہے، دل کا زخم مندمل ہونے لگا، وہی رابعہ بیگم جن کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی تھی، جن کی کمر ٹوٹ گئی تھی، اب پھر ہنسنے بولنے لگیں، غم کا بوجھ شروع میں ناقابل برداشت ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ آدمی کو اپنے سے مانوس کر لیتا ہے، وہی غم جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں،

جس کے خیال سے لرزہ طاری ہوتا ہے، جس کے امکان سے بدن میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے، جب واقع ہو جاتا ہے، گزر جاتا ہے تو ہم اسے سہ لیتے ہیں، پہلے رو رو کر سہتے ہیں پھر ہنس ہنس کر اسے انگیز کرتے ہیں،

یہ دنیا ہے دنیا میں یہی ہوتا ہے، یہ نہ ہو تو دنیا کی آبادی آج ہی ختم ہو جائے، قدرت نے انسان کی فطرت میں یہ بات داخل کر دی ہے

مگر معلوم ہوتا ہے، یہ خیال ابتک ان کے دل میں بسا ہوا ہے"

اتنے میں حمیدہ بانو آتی ہوئی دکھائی دیں، الماس مرأۃ العروس پڑھ
لگی، رشید نے زور زور سے کہنا شروع کیا،

"ایں تم مرأۃ العروس کے مصنف کا نام بھی نہیں جانتیں، غضب خدا
کا ساری کتاب پڑھ ڈالی، اور یہ نہیں معلوم کہ اسے لکھا کس نے ہے ار
بھئی اس کے مصنف ڈپٹی نذیر احمد صاحب تھے، ان سے اچھا لکھنے وال
آج تک نہیں پیدا ہوا"؟

الماس کو ہنسی آگئی، کہنے لگی" واہ! میں چاہوں تو ایسی ایسی دس
کتابیں روز لکھ ڈالوں"۔

حمیدہ نے کہا، "پاگل ہوئی ہے، زبان بند کر، او ہو چلی ہیں کتا
لکھنے، آنے دو باہر سے اپنے ابا کو"

"اماں پھر ہمیں رشید بھائی چھیڑتے کیوں ہیں"؟

حمیدہ نے نظر اٹھا کر جو دیکھا، تو رشید ہنستا ہوا اپنے کمرہ کی طر
جا رہا تھا، وہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گئیں؛

(۴)

عین عالم شباب میں، رشید کا انتقال ہو گیا، چند روز تک
بخار میں مبتلا رہا، ہر قسم کا علاج ہوا، لیکن افاقہ کے بجائے حالت نا
ہوتی گئی، بیمار کی حالت سنبھلنے کی بجائے اور بد تر ہو گئی،

رشید کی موت پر کیا دوست کیا دشمن سب ہی رو رہے تھے،
جتنا خوبصورت تھا، اس سے زیادہ خوب سیرت تھا، اس کے اخلا

نئے گھر کا کیا رنگ ہو لیکن جب وہ اپنی سسرال میں پہونچی، اور نندوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، ساس نے سر آنکھوں پر بٹھایا، شوہر نے دل کی دنیا اس کے قدموں پر نچھاور کر دی، تو اس کا ڈانواڈول دل مطمئن ہو گیا سنبھل گیا، اس کے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے اور اس نے اطمینان کا سانس لیا،

امجد، ایک خوش خصال اور شریف طبع نوجوان تھا، اس نے عالم خیال میں اپنی بیوی کی صورت اور سیرت کا جو نقشہ کھینچا تھا، الماس ہو بہو اس سے مشابہ تھی، اس در بے بہا کو پا کر وہ بہت خوش تھا، الماس بھی اس کی اس محبت کی دل سے قدر کرتی تھی، اس نے اپنے طور طریقوں سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے امجد سے محبت یا لگاؤ نہیں ہے، دیکھنے والے یہی کہتے اور سمجھتے تھے کہ یہ دونوں میاں بیوی، عاشق و معشوق ہیں،

اس نئے شہر، نئے گھر، نئے ماحول میں آکر، الماس کچھ اس طرح جم کر رہی، اور حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ وہ تین برس تک اپنے میکہ واپس نہ جا سکی، جب وہ گھر جانے کا ارادہ کرتی تھی، شوہر سے اجازت لے کر سامان درست کرتی تھی، کوئی نہ کوئی ایسا اتفاقی اور ہنگامی معاملہ پیش آجاتا تھا، کہ وہ بندھا ہوا بستر پھر کھولنے پر مجبور ہو جاتی تھی پھر عزم سفر ملتوی کر دیتی تھی، پھر دوسرا پروگرام تیار کرنے بیٹھ جاتی تھی تین برس کی مدت کم نہیں ہوتی، اب الماس، اپنا گھر دیکھنے کے لئے بیتاب ہو رہی تھی، وہی گھر میں، جس میں وہ پیدا ہوئی، بڑھی، پھلی پھولی، جس میں اس نے ہوش کی آنکھیں کھولیں،

کہ وہ رفتہ رفتہ غم سے مانوس ہو جائے، یہی راجعہ بیگم کے ساتھ ہوا، اور یہی الماس کے ساتھ،

الماس نے ایک عرصہ تک رشید کا سوگ منایا، وہ ہنستی تھی لیکن اس کی سوگوار مسکراہٹ پر ترس آتا تھا، وہ گھر کے کام دھندے میں جی بہلانے کی کوشش کرتی تھی، لیکن اس کی آنکھیں ڈبڈبائی رہتی تھیں۔ وہ کتابیں پڑھ پڑھ کر اپنے دل کا غم بہلانا چاہتی تھی، لیکن آنسو حجاب کا کام دیتے تھے۔ اور دلچسپ سے دلچسپ کتاب کا پڑھنا ناممکن ہو جاتا لیکن کب تک؟

آخر الماس کے دل سے بھی غم کا نقش مٹنے لگا اور بالآخر وہ دن بھی آگیا، کہ اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں اوس کی سہیلیاں آ آ کر اسے مبارکباد دینے لگیں، اور اسکی ہر طرح دل جوئی کرنے لگیں

رشید کی زندگی میں، وہ کسی دوسرے سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، رشید کی وفات کے بعد اس کی عفت خیال نے کبھی اسے گوارا نہ کیا، کہ وہ کسی اور کا خیال بھی دل میں لائے، لیکن دو سال کی قلیل مدت میں محرم و استقامت کی یہ چٹان، موم کی طرح پگھل گئی،

(۶)

الماس جب دلہن بن کر امجد کے یہاں گئی، تو اس کا دل دبدھے میں تھا وہ سوچ رہی تھی، کہ ایک ان دیکھے شخص کے ساتھ ساری زندگی یہ ہوئی ہے، نہ معلوم ان کا مزاج کیسا ہو طبیعت کی کیا افتاد ہو؟

"ہاں اماں میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ پھر جاؤں گی اُدھر"

حمیدہ خاموش ہو گئی، پھر جب تک الماس گھر میں رہی، اس کمرہ کا اس نے رخ بھی نہیں کیا، اُدھر سے گزرتی تھی، تو اس کا شگفتہ چہرہ چند لمحوں کے لئے مضمحل ضرور ہو جاتا تھا،

---

(۷)

الماس اپنے گھر پہونچی، ہاتھوں ہاتھ لی گئی، وہ یہاں سے تنہا گئی تھی، لیکن اپنے ساتھ ایک ننھی سی خوبصورت اور شریر بچی بھی لے کر وہ آئی،

رابعہ بیگم نے بھی الماس کو دیکھا اس سے ملیں، پیار کیا، اس وقت دونو کی آنکھیں نم آلودہ تھیں،

حمیدہ بانو نے ایک روز الماس سے کہا، بیٹی جب سے تو گئی ہے، تیرا کمرہ بند ہے، میں نے کہدیا تھا، اسے کھولیگی تو الماس ہی کھولے گی، اب تو آگئی ہے، ذرا اس کی بھی تو خبر لے، تیری تمام کتابیں وتابیں اسی میں تو ہیں،

"بہت اچھا اماں" کہہ کر الماس سیدھی اپنے کمرہ کی طرف گئی، گھر میں ایک چھوکرا ملازم تھا، وہ بھی ساتھ گیا، الماس نے کہا، جا ذرا جھاڑو لے اور کمرہ، اچھی طرح صاف کر ڈال، وہ جھاڑو لینے گیا، اور الماس ایک اچٹتی سی نظر کمرہ کی چیزوں پر ڈالنے لگی، وہ سامنے رشید کی تصویر آویزاں تھی، وہی ہنس مکھ چہرہ، وہی دلکش صورت وہی من موہن نقشہ! یہ تصویر دیکھتے ہی، الماس کے دل پر ایک چوٹ لگی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے، چوٹا بھر آئی، اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کی جھڑی جاری ہوگئی،

اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھے، اور باہر نکلنے کے لئے مڑی، چھوکرا جھاڑو لے کر آگیا تھا، "رہنے دے، چل باہر، کمرہ میں تالا لگا دے" یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔

حمیدہ نے پوچھا۔ "کیوں بیٹا اتنی جلدی آگئیں!"

ملاپ

(۱)

سجاد اور عارفہ کی محبت ضرب المثل تھی، بڑی محبت کرتے تھے، یہ دونو آپس میں، لیکن محبت کرنے والوں میں بھی کبھی کبھی لڑائی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات وہ لڑائی خطرناک صورت بھی اختیار کر لیتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بالکل معمولی بات پر پہلے نوک جھونک ہوئی، پھر ذرا تیزی پیدا ہوئی، معاملہ ذرا اور آگے بڑھا تو بول چال بھی بند ہو گئی، یہ خاموش لڑائی بڑی صبر آزما، اور تکلیف دہ ہوتی ہے،

سجاد اور عارفہ میں ہمیشہ نوک جھونک ہوا کرتی تھی، ایک دفعہ باتوں ہی باتوں میں بات بڑھی، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ دونوں میں گفت وشنید کا سلسلہ بند ہو گیا،

عجیب لڑائی تھی یہ، سجاد کا یہ حال کہ تنخواہ لایا، اور اپنی پیاری بچی شاہدہ کے ہاتھ میں نوٹوں کا بنڈل دیا جاؤ اپنی امی کو دے آؤ کچہری سے واپس آیا، اور شاہدہ سے سب سے پہلا سوال یہ کیا، تمہاری امی کیا کر رہی ہیں؟ بازار گیا، کوئی ساڑھی پسند آئی، اسے خریدا، اور شاہدہ کے حوالہ کر دیا، کہ اپنی امی کو دے دینا۔

عارفہ کا یہ عالم کہ صبح ہوئی، اور وہ اللہ کی بندی باورچی خانہ پہونچی، اور ۹ بجے تک کھانا تیار کر دیا، سجاد صاحب ابھی بستر استراحت سے اٹھے بھی نہیں کہ ان کے پاس چائے پہونچ گئی، کچہری جانے کے لئے انہوں نے اچکن پہننے کے لئے پر تولے کہ پانوں کی ڈبیہ شاہدہ لے کر آگئی وہ کچہری سے آئے، منہ ہاتھ دھو کر باہر کے برآمدہ جا کے اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے کہ پھر چائے حاضر کر دی گئی، تازہ بنے ہوئے پان پہونچ گئے حقہ پہونچ گیا، وہ استراحت کے لئے کمرہ میں پہونچے تو بستر بہ ہمہ وجوہ مکمل کیا مجال کہ چادر میں ایک شکن بھی ہو، یا تکیہ کے غلاف پر کوئی داغ دھبہ نظر آجائے،

با ایں ہمہ دونوں میں لڑائی تھی، بول چال بند تھی، سجاد عارفہ کے سامنے آتا تھا، تو وہ خاموش ہو جاتی تھیں، ایک سنجیدگی سی ان پر طاری ہو جاتی تھی، عارفہ سجاد کے سامنے آجاتی تھی، تو وہ فوراً کسی اخبار یا رسالہ کا مطالعہ شروع کر دیتا تھا،

اسی طرح کئی مہینہ گزر گئے، گھر والے متحیر تھے، کہ یہ کیسی لڑائی ہے بول چال بند ہے، لیکن لگاؤ کا جہاں تک تعلق ہے، وہ نہ صرف یہ کہ قائم ہے بلکہ اس میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔

(۲)

کچہری جانے کے لئے سجاد اچکن پہن چکا تھا، کہ شاہدہ سامنے آئی۔

"کیا ہے بٹیا"

"ذرا حکیم جی کو بھیجتے جایئے گا"

"(گھبرا کر) یہ کیوں؟"

"امی کی طبیعت خراب ہے"۔

"وہ بیمار ہیں"؟

"ہاں ذرا بخار ہے"۔

"میں ابھی بھیجتا ہوں حکیم صاحب کو"

سجاد باہر نکلا، پریشانی اس کے چہرہ سے عیاں تھی، وہ سیدھا حکیم منظور علی صاحب کے مطب میں پہونچا، وہ اس گھر کے خاندانی طبیب تھے، انہیں تاکید کی کہ ابھی جاکر عارفہ کو دیکھ لیں، اور خود کچہری چلا گیا،

آج سجاد کا جی کچہری میں بالکل نہیں لگ رہا، ہر روز وہ اپنی پر لطف باتوں سے سارے دفتر کو کشت زار زعفران بنائے رکھتا تھا، لیکن آج وہ افسردہ اور مضمحل نظر آرہا تھا، کسی حد تک بد دماغ بھی ذرا ذرا سی بات پر جھنجلا اٹھتا تھا،

کام میں اس کا جی لگ ہی نہیں رہا تھا، اس کا جی چاہتا تھا کام کو یونہی چھوڑ دے اور گھر چلا جائے، نہ جانے عارفہ کی طبیعت کیسی ہو؟

اسے اپنے اوپر بھی غصہ آرہا تھا، اچھی خودداری ہے یہ! میں خود ہی اسے دیکھ آتا، تو میرا کیا بگڑ جاتا؟ وہ میری رفیقۂ حیات ہے میری وفادار بیوی ہے، میرے راحت و آرام کے لئے، اپنے تئیں ستی کئے ہوئے ہے، اس کے کپڑے میلے ہوں، کوئی پرواہ نہیں، لیکن میرے کپڑے آئینہ کی طرح صاف اور دودھ کی طرح سفید ہونے چاہئیں، وہ دو دو وقت کھانا نہ کھائے، ——— بچی کہیں کی جب خفا ہو گی تو فوراً کھانا چھوڑ دے گی، ——— لیکن میرا جو وقت مقرر ہے، کیا

مجال جو ایک منٹ کی دیر ہو جائے، اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں تو بھی "چل جائینگے"۔ لیکن میرے لئے جب دیکھئے ایک نیا سلا سلایا ہوا جوڑا موجود، میرے سر میں درد بھی ہو گا، تو وہ خدا کی بندی ساری رات میرے سرہانے بیٹھ کر کاٹ دے گی، ایک ایک پیسہ جمع کرے گی اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آئے گی، اس خوشی اور مستعدی سے "قرض" دے گی، گویا اسے سو روپیہ سیکڑہ سود ملے گا، حالانکہ اس کا ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ میں نے قرض لیکر اسے کبھی واپس نہیں کیا، ایسی پاک نہاد، اور خوب سیرت —— اور اپنی خوبصورتی میں بھی وہ کس سے کم ہے؟ —————— بیوی بیمار ہو اور میں اس کی بات بھی نہ پوچھوں، لاحول ولاقوۃ،

ان ہی تفکرات میں دن ختم ہو گیا، سجاد نے اچکن پہنی، اور چلا بڑی تیزی سے گھر کی طرف،

وہ راستہ میں سوچ رہا تھا، نہ جانے عارفہ کی طبیعت کیسی ہو؟ خدا کرے اب وہ بالکل اچھی ہو، میں جاتے ہی اس سے معافی مانگوں گا، اور اسوقت تک اس کے سرہانے سے نہیں اٹھونگا جب تک وہ بالکل اچھی ہو جائے،

سچ تو ہے غلطی میری ہی تھی، میں کیوں ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھا۔ وہ بھلا کسی سے دبنے والی عورت ہے، وہ تو کہو مجھے اتنا چاہتی ہے اس لئے چپ ہو رہی، اسوقت:۔۔ ورنہ کوئی اور ہوتا تو اسکر ایسے لتے لیتی کہ طبیعت درست ہو جاتی،

گھر آگیا، سجاد نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا، سیدھا عارفہ کے کمرہ کا رخ کیا، راستہ میں شاہدہ ملی،

"کیسی ہیں تیری امّی"؟

"اچھی ہیں"

"بالکل اچھی" پھر کچھ دیر چپ رہ کر اس نے پوچھا،

"کیا کر رہی ہیں اسوقت"؟

"آپ کی چائے کے لئے مجھے بھیجا ہے"

"لیٹی ہیں یا بیٹھی ہیں"

"بیٹھی ہوئی کوئی رسالہ پڑھ رہی ہیں"

"اب بخار تو نہیں ہے"

"اب تو نہیں ہے"

"اور کمزوری"؟

"کمزوری تو ہے"!

"تجھے کیسے معلوم ہوا"

"پھر مجھے آپ کی چائے کیلئے کیوں بھیجتیں"؟

سجاد کے بڑھے ہوئے قدم رک گئے وہ اپنے کمرہ میں واپس چلا آ
دل ہی دل میں اس نے کہا، "اچھی تو ہے عارفہ پھر کبھی دیکھا جائے گا

(۳)

ایک مہینہ اور گزر گیا!

سجاد سونے کی تیاریاں کر رہا تھا، کہ شاہدہ پہونچی،

"کہئے کیسے سواری آئی آپ کی"؟

"آپ نے آج رات کو کھانا کیوں نہیں کھایا"؟

"نہیں کیا"؟
"بتائیے تو"!
"کون پوچھ رہا ہے"؟
"امّی"
"تو تم ان کی بھیجی آئی ہو"
"جی" لیکن انہوں نے۔۔۔۔۔"
"کیا کہا ہے انہوں نے"؟
"انہوں نے منع کر دیا ہے"
"کس چیز سے"؟
"کہا ہے یہ نہ کہیو کہ امّی نے بھیجا ہے"!
"میری آج طبیعت خراب ہے"
"کیا طبیعت خراب ہے آپ کی"؟
"سر میں درد ہے"

شاہدہ چلی گئی، سجاد نے رضائی اور اوڑھی اور منہ بند کر کے نیند کو دعوت دینے لگا،

ماں سے جا کر شاہدہ نے کہدیا "کہتے ہیں سر میں درد ہے"۔
"لے یہ دوا دے آ جا کر"
"وہ تو سو بھی گئے"
"جگا لینا"
"خفا ہوں گے، ہم نہیں جاتے"

عارفہ خود بام کی شیشی لیکر گئی، دروازہ بند ہو چکا تھا، دروازہ

دراز میں اس نے جھانکا، اندھیرا تھا، کچھ نظر نہ آیا،
وہ اپنے کمرہ میں واپس آگئی، شاہدہ سوگئی تھی، وہ بھی سونے کی تیاریاں کرنے لگی، لیکن نیند کا کہیں کالے کوسوں پتہ نہ تھا، وہ کروٹ پر کروٹ بدلتی تھی، لیکن نیند آج اس سے روٹھی ہوئی تھی،
وہ سوچنے لگی، میں کتنی بری ہوں، وہ سر کے درد میں مبتلا ہیں اور میں چین سے یہاں لیٹی ہوئی ہوں، میں ذرا سی بیمار ہوئی تھی، انہوں نے فوراً حکیم بھیجدیا، حالانکہ خفا تھے اس سے پہلے ان کے سر میں درد ہوتا تھا، تو میں اپنے ہاتھ سے ان کے بام لگاتی تھی، اچھی اچھی باتیں کرتی تھی درد بہل جاتا تھا، آج وہ اکیلے کمرے میں پڑے ہوئے ہیں،
رات کے دو بج گئے۔ مگر اسی سوچ میں عارفہ سو نہ سکی، وہ اٹھی، آہستہ آہستہ سجاد کے کمرے کی طرف گئی، دروازہ کی درز سے کان لگاکر کھڑی ہوگئی، کہیں کراہ نہ رہے ہوں، کہیں بیکل نہ ہوں کہیں درد زیادہ تکلیف نہ دے رہا ہو، بام کی شیشی اس کے ہاتھ میں تھی، جب کچھ سنائی نہ دیا، تو اس نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا، مگر صدائے برنخاست معلوم ہوتا ہے، سوگئے، کچی نیند میں اگر جگاؤنگی تو سر کا درد اور بڑھ جائیگا۔
توبہ ہے! کیا خیال کرتے ہونگے، وہ اپنے دل میں؟ واقعی میں بڑی بری ہوں، اس شوہر کے ساتھ میری یہ بے رخی جو مجھ پر ہزار جان سے فدا ہے جو میری خوشی سے خوش ہوتا ہے، میرے دکھ سے غمگین ہو جاتا ہے، جو مجھے خوش کرنے کے لئے، مجھے آرام پہونچانے کیلئے مجھے سکھی دیکھنے کے لئے دن بھر مزدور کی محنت کرتا ہے، جسے نہ گوں کا کھانا ملتا ہے نہ جس کے آرام کا کوئی خیال ہے اس وقت مجھے اپنے سے نفرت ہو رہی ہے

میرا فرض تھا، کہ میں اپنے دل کے مالک کی سیوا کرتی، اس کا سر دباتی، اس کی خدمت کرتی، اس کی تیمار داری کرتی، لیکن میں نے اپنا فرض کس طرح ادا کیا؟ اس طرح کہ وہ درد سے بے چین ہے اور میں مزے سے بے فکر ہوں، نفریں ہے مجھ پر،

صبح ہوتی ہی پہلا کام یہ کروں گی، کہ چلی جاؤں گی، سیدھی ان کے کمرہ میں کہدوں گی، قصور ہوا معاف کیجئے، جو دل و جان سے میرا ہو، اس کے سامنے خودداری کیسی، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ وہ مجھے ذلیل سمجھ لیں گے، سمجھ لیں، میں تو انہیں خوش کر کے رہوں گی،

عارفہ تخیلات کی دنیا میں نئے نئے نقشے بنا رہی تھی اور مٹا رہی تھی کہ دروازہ کھلا، سجاد سامنے کھڑا تھا، اب نہ عارفہ ٹھہر سکتی تھی، نہ بھاگ سکتی تھی،

"کیا کر رہی ہو تم یہاں"؟

"کچھ نہیں"

"کیا کمرہ باہر سے بند کر کے آگ لگانے آئی تھیں"

"اے واہ"

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ ماچس ہی تو ہے، دکھاؤ تو ذرا"

عارفہ نے ہاتھ کھول دیا، بام کی شیشی تھی۔

"یہ کیا ہے"؟

"بام کی شیشی"

"اس کی کیا ضرورت تھی"

"آپ کے سر میں درد جو ہے"

"تو تمہیں کیا؟"

تم کو آشفتہ نصیبوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

"پھر وہی باتیں"

"تم رات بھر نہیں سوئیں"؟

"کیا ساری رات بیت گئی"؟

"اور کیا دیکھو سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا ہے، میں تو نماز کے لئے اٹھا تھا، یہ فجر کا اول وقت ہے"

"ارے"

"تم نے ساری رات یہیں گزار دی"

عارفہ نے کچھ جواب نہیں دیا،

"اس سردی میں رات بھر تم یہیں کھڑی رہیں اگر نمونیہ ہو جاتا تو؟"

"تو اچھا ہوتا"

"یہ کیوں"؟

"آپ تو خوش ہو جاتے"

"تمہاری تکلیف سے میں خوش ہو سکتا ہوں"؟

"آپ کی تکلیف کا حال سنکر میں سو سکتی ہوں"

"ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں"

"صرف میں"؟

"اور میں"؟

"بالکل نہیں"

"عارفہ سب کچھ کہو یہ نہ کہو"

عارفہ مسکرادی، سجاد کے لئے اسکا تبسم اس دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی تھا،

(۴)

دن نکلا!

شاہدہ نے دیکھا، عارفہ اور سجاد پاس پاس بیٹھے ہوئے سرگرم تکلم ہیں آئی اور دونوں کے بیچ میں حد فاصل بنکر بیٹھ گئی،

سجاد نے کہا

"شاہدہ تم کس کی بیٹی ہو"!

یہی سوال عارفہ نے کیا۔

شاہدہ نے دونوں کی طرف باری باری دیکھا اور کہا "دونوں کی"

"کیسی چالاک ہے، یہ لڑکی! بالکل باپ پر پڑی ہے" عارفہ نے کہا

"واقعی بڑی چالاک! ہو بہو ماں کا نمونہ"!

عارفہ زور سے ہنس پڑی، سجاد نے بھی ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

لیجئے دونوں میں پھر ملاپ ہو گیا، اب پھر وہی سجاد ہے، وہی عارفہ اس طرح گھل مل کے باتیں ہو رہی ہیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا،

خواب

(۱)

رائے بہادر کامتا پرشاد کی اکلوتی لڑکی، شانتی اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی ہے، ریڈیو پر اسوقت جگر کی ایک غزل گائی جارہی تھی

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سمارہے ہیں

یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں، یہ آرہے ہیں وہ جارہے ہیں

غزل سنتے سنتے شانتی کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو ڈھلک آئے، غزل ختم ہوئی، دوسرا پروگرام شروع ہوا، لیکن شانتی نے ریڈیو بند کردیا، اسوقت وہ بہت اداس نظر آرہی تھی، وہ بار بار آنسو پونچھ رہی تھی، لیکن بار بار اس کی آنکھیں موتی برسا رہی تھیں، اس کا چمکتا ہوا آنسو ایک تابناک موتی معلوم ہوتا تھا،

شانتی اس طرح عالم افسردگی میں بیٹھی ہوئی تھی اب وہ خود جگر کی وہی غزل گنگنانے لگی، اتنے میں مرنالنی آگئی، یہ بنگالن لڑکی تھی لیکن اس کے باپ ایک عرصہ سے الہ آباد میں وکالت کررہے تھے، اور انہوں نے اب گویا الہ آباد ہی کو اپنا مستقر اور مرکز بنالیا تھا، مرنالنی شانتی کو بہت چاہتی تھی، آتے ہی شانتی سے لپٹ گئی کہنے لگی،

"مجھے ایک خوشخبری سناؤں"؟

"ہاں ہاں"

"مٹھائی کھلانے کا وعدہ کرو"

"مٹھائی بھی کھالینا سناؤ تو"

"پتاجی نے باسو سے میرا رشتہ منظور کرلیا"

"سچ"؟

"ہاں شانتی"

"مرنالنی تو بڑی خوش نصیب ہے سچ"

"یہ کیسے"؟

"باسو جیسا آدمی تیرا پتی بن رہا ہے۔ اس جیسے لوگ ملتے کہاں ہیں"

"(ہنسکر) یوں کہو باسو جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں"

"مرنالنی میں بھی یہی سمجھتی ہوں"

"آخر ان میں کون سی ایسی بات ہے"؟

"کون سی ایسی بات نہیں ہے، تو خوشی کے مارے جامے سے باہر کیوں ہوئی جارہی ہو؟ باچھیں کیوں کھلی جارہی ہیں، اے لو چہرہ بھی شرم سے سرخ ہوگیا، پکڑ لیا ناچور؟ کیوں مرنالنی ہے نا سچ"؟

"تم تو شاعری کررہی ہو شانتی"؟

"اچھا اگر میں شاعری کررہی ہوں تو لا تو اپنا پتی مجھے دیدے اور میرا پتی تو لے لے"

"تمہارا بیاہ بھی ہورہا ہے"؟

"(ہنسکر) تو کیا میں عمر بھر یوں ہی بیٹھی رہوں گی"

"شانتی کس سے"؟

"بابو جے نرائن سے"؟

"ارے وہی بابو جے نرائن"؟

"ہاں ہاں وہی اور کون"؟

"وہ تو مجھے اچھے نہیں لگتے"

"تیرے باسو سے تو لاکھ درجہ اچھے ہیں"

"کہیں اچھے نہ ہوں"

"کیوں باسو میں کون سے لال جڑے ہیں"

"یہ تم اپنے دل سے پوچھو، ابھی تو نہ جانے کیسے کیسے زمین آسمان کے قلابے باسو کی شان میں ملائے جا رہے تھے، اب اس میں کیڑے پڑ گئے اور بابو جے نرائن کے گن گائے جانے لگے، سچ کہتی ہوں شانتی تو آدھی پگلی ہے"!

"یہی یہی، تم نے ہمارے بابو جی کو برا کیوں کہا"؟

"میں کیوں برا کہتی؟ میں نے تو یہ کہا تھا، وہ مجھے اچھے نہیں لگتے"

"کیوں نہیں اچھے لگتے"

"موٹے موٹے ہونٹ، توند تو دیکھو معلوم ہوتا ہے، کرتے کے نیچے مٹکا چھپائے ہوئے ہیں، اور آنکھیں؟ جیسے زیرہ، دانت اتنے بڑے کہ دیکھ کر ڈر لگے اور بھیا شانتی ان کی آواز سے تو مجھے ڈر لگتا ہے ہائے باپ ایسا لگتا ہے جیسے بادل گرج رہا ہو"

"پھر بھی تو انہیں برا کہتی ہے"؟

"تو یہ تعریف کے قابل باتیں ہیں"

"اور کیا"؟

"اچھا یہی سہی، تم اچھی تمہارے بابو جی اچھے، ہم برے ہمارا باسو برا،

چلو چھٹی ہوئی، اب تو ہوئیں خوش، یا اب بھی تیوری چڑھی رہے گی"

"مرنالنی ایک بات پوچھوں"؟

"ایک نہیں ستو"

"باسو بابو کو چاہتی ہے تو"؟

"(کسی قدر شرما کر) ہاں بہت"

"اور وہ بھی تجھ سے پریم کرتے ہیں"؟

"وہ بھی"

"تجھے کیسے معلوم ہوا"؟

"پریم کہیں چھپائے چھپتا ہے"؟

"آخر"

"شانتی یہ نہ پوچھ، مجھے شرم آتی ہے"

"اوہو، بڑی شرمیلی"

"شانتی ایک بات پوچھوں"؟

"ایک نہیں ہزار"

"تو بابو جی کو چاہتی ہے"

"(مسکرا کر) ہاں، بہت"

"اور وہ"؟

"وہ بھی"

"میں نے تو سنا ہے۔ وہ اپنی آدھی جائداد روپا پر قربان کر چکے ہیں"

"روپا کون"؟

"اتنی بھولی نہ بنو، روپا کو بھی نہیں جانتیں"؟

"سچ میں نہیں جانتی مرنالنی"

"ارے وہی کلکتہ کی مشہور ڈانسر"

"اچھا وہ"؟

"ہاں وہ"

"تو نے جھوٹ سنا ہوگا، بابو جی ایسے نہیں ہیں، ایسے ہوتے تو پتا جی کیوں انہیں میرے پلّے باندھتے"؟

"یہ راز سمجھ میں نہیں آیا، لیکن وہ ہیں ایسے ضرور"

"یہ تو کیسے کہہ رہی ہے"؟

"باسو کہہ رہا تھا"

"وہ کیا جانے"؟

"وہ خوب جانتا ہے انہیں"؟

"یہ کیسے"؟

"باسو کے پتا جی بابو جی کے تمام مقدمات کی پیروی کرتے ہیں جب کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں، تو بابو جی کے ہاں سیر و شکار کے سلسلہ میں چلے جاتے ہیں اور ہفتوں رہتے ہیں، اب کے باسو بھی چھٹیاں تھیں، وہ بھی چلا گیا تھا، وہیں اسے یہ سب باتیں معلوم ہوئیں"

"(جائی لیکر) ہوگا"

"ہوگا کیا شانتی تو انکار کر دے"

"چل پگلی، انکار کر دوں؟ دنیا کیا کہے گی"؟

"تو دنیا کیلئے تم اپنی جان گنوا دو گی"

"یہی ہندوستانی استری کا دھرم ہے"

"میں تو تجھے آدھی پگلی سمجھتی تھی، لیکن تو تو پوری پگلی نکلی"

یہ کہہ کر مرنالنی زور سے ہنسی، آنکھیں جو چار ہوئیں، تو اس نے دیکھا، شانتی کے چہرہ پر افسردگی برس رہی ہے، آنکھیں سرخ ہیں اس نے پوچھا،

"یہ کیا شانتی؟"

"کچھ تو نہیں"

"ہم سے چھپاؤ گی"

"کوئی بات ہو تو کہوں چھپانا کاہے کا"؟

"کوئی نہ کوئی بات تو ہے"؟

"کوئی بات نہیں"

اتنے میں شانتی کے پتا آگئے، مرنالنی نے اٹھ کر انھیں پرنام کیا انھوں نے دعا دی، سامنے کے صوفے پر بیٹھ گئے اور ریڈیو کھول کر تازہ خبریں سننے لگے،

(۲)

منوہر کالج میں آج جلسۂ تقسیم اسناد ہے۔ سر گوپال داس نے خطبۂ صدارت پڑھا سب سے پہلے باسو کا نام پکارا گیا، وہ ایم اے میں سب سے اول نمبر پاس ہوا تھا، مرنالنی بھی اچھے نمبروں سے بی اے میں اور شانتی سکنڈ ڈویژن میں ایم اے میں کامیاب ہوئی تھیں، جلسے کے اختتام کے بعد، مرنالنی نے شانتی سے باتیں شروع کر دیں

باسو بھی آگیا، مرنالنی نے کہا،
"تم ہماری باتیں کیوں سن رہے ہو"؟
"کچھ پرائیویٹ باتیں ہیں"؟
"تمہیں کیا"
"میں تو تمہیں ایک خوشخبری سنانے آیا تھا"
"یہی کہ آج ناچ ہے"
"نہیں جی"
"تو پھر یہ کہ آج سنگم تھیٹر میں مس شاہدہ کا گانا ہے"؟
"یہ بھی نہیں"
"تو میں سمجھ گئی"
"کیا سمجھیں تم"؟
"آج کالج میں کوئی ڈرامہ ہے، اور تم اس میں ہیرو کا پارٹ ادا کرو گے"
"بالکل غلط"
"اچھا تو بتاؤ"
"آج نشاط تھیٹر میں، اودے شنکر اور پارٹی کا ناچ ہے"
"سچ؟"
"بالکل سچ"؟
"چلو گی شانتی"
"میں تو نہیں جاسکوں گی"
"انہیں ضرور لے چلو مرنالنی"، باسو نے کہا،

"ہاں ہاں یہ ضرور جائینگی، تم تین سیٹیں ریزرو کرالو۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"تمہیں جانا پڑیگا، تم ہو کس بھول میں؟ تم میرا اور باسو کا کہنا ٹال سکتی ہو؟ ہے اتنی ہمت تم میں۔"

"اس میں ہمت کی کیا ضرورت ہے"؟

"یہ ہمت بے مروتوں میں ہوتی ہے، شانتی جیسی مروت کی پتلی میں نہیں ہوتی۔"

شانتی خاموش ہو گئی، باسو ٹکٹ کا انتظام کرنے چلا گیا، مرنالنی نے شانتی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا، اور لان کی طرف چلی گئی،

"شانتی تم چپ چپ کیوں ہو"؟

"تو کیا تم نے مجھے ریڈیو سمجھ لیا ہے کہ ہر وقت بولا کروں"؟

"ریڈیو نہیں بلبل ہزار داستان"

"اس عزت افزائی کا شکریہ"

"شانتی تم مجھے اپنا ہمدرد نہیں سمجھتیں"

"ارے پگلی میں تو تجھے بہن سمجھتی ہوں"

"پھر اپنا دکھ کیوں چھپاتی ہو مجھ سے"؟

"مجھے کوئی دکھ ہو تو کہوں، پتا جی کی اکلوتی لڑکی ہوں، وہ مجھے بے انتہا چاہتے ہیں، تیری بچپن کی سکھی ہوں، تو مجھے بہت زیادہ چاہتی ہے، بابو جی کی اگرچہ میں تیسری بیوی ہوں گی، لیکن ان کے طور طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ بھی مجھے بہت چاہیں گے، پھر دکھ کیسا، غم کا ہے کا"

اتنے میں کالج کی کچھ اور لڑکیاں آگئیں، اور اُدھر کی باتیں ہونے لگیں،
شانتی نے کہا، "مرنالنی اب دیر ہو رہی ہے میں جاتی ہوں۔"
"جاؤ لیکن تیار رہنا، تھیٹر چلیں گے"
"اچھا تیار رہوں گی"۔

(۳)

تھیٹر کا حال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، اس شہر میں اودے شنکر اپنی پارٹی کے ساتھ پہلی مرتبہ آیا تھا، اور اس کے آنے سے پہلے، اس کی شہرت یہاں پہونچ چکی تھی،
اسٹیج کے بالکل سامنے کی تین کرسیاں، باسو، شانتی، اور مرنالنی کے لئے وقف تھیں، یہ لوگ ذرا دیر سے پہونچے، لیکن جگہ پہلے سے مخصوص کرا چکے تھے، اس لئے کوئی دشواری نہیں پیش آئی، آئے اور آتے ہی اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے، سب سے پہلے مرنالنی، پھر شانتی، پھر باسو، یہ تھی ترتیب!
حاضرین کی نظریں اسٹیج پر جمی ہوئی تھیں، لوگ اودے شنکر کا "آرٹ" دیکھنے میں محو تھے، باسو تو ایک ایک آرٹ پہ دیوانہ ہوا جا رہا تھا، یہی حال مرنالنی کا تھا، شانتی نے ایک نگاہ غلط انداز،

وہ اک نگاہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

باسو پر ڈالی، اور پھر آنکھیں جھکا لیں، وہ نظارہ کی دنیا سے خیال کی دنیا میں، اور خیال کی دنیا سے خواب کے عالم میں پہونچ گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، اسپر غنودگی طاری ہے، دماغ معطل، حواس ماؤف، آنکھیں لطف تماشا سے محروم، وہ کچھ سوچ رہی تھی،
اسے آج سے چھ برس پہلے کا زمانہ یاد آ رہا تھا، وہ سوچ رہی تھی،

میں اور باسو ساتھ ساتھ الیف اے میں داخل ہوئے تھے، کالج کے ماحول میں
ہم دونوں اجنبی تھے، ایک نئے ماحول میں دونوں زندگی بسر کر رہے تھے
باسو میری طرف ملتفت ہوتا تھا، تو میں سمجھتی تھی کہ مجھے دنیا کی سب سے بڑی
نعمت مل گئی، میں باسو پر نگاہ ڈالتی تھی، تو ایسا معلوم ہوتا تھا، وہ لرز
رہا ہے، ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ تھے، لیکن کتنے قریب تھے میں
کلاس میں آ کر سب سے پہلے باسو کو ڈھونڈتی تھی، باسو کی نگاہیں سب سے پہلے
مجھی پر پڑتی تھیں، اسے ٹینس سے کتنا شوق تھا، میں بھی اسی کی وجہ سے ٹینس
کھیلنے لگی تھی، میری حوصلہ افزائی کیلئے، وہ اکثر مجھ سے ہار جایا کرتا تھا
میں سمجھتی تھی، میں نے اسے جیت لیا، اب اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا.
وہ میرا ہے، میں اس کی ہوں، میرے سر میں درد ہوتا تھا، تو باسو تڑپ
جاتا تھا، باسو کی انگلی دکھتی تھی، تو میں دل کے مرض میں گرفتار ہو جاتی
تھی، تعلیم کا وقت ہو یا چھٹی کا زمانہ، ہم دونوں اس طرح ساتھ رہتے تھے
جیسے چاند اور چکور، شمع اور پروانہ، مجھے اس کے بغیر دنیا کی ہر چیز زہر
لگتی تھی، وہ میرے بغیر دنیا کی کسی چیز سے لطف نہیں اٹھاتا تھا،
دن گزرتے رہے، رات دن کا چولا بدلتی رہی، اور دن رات کا
لباس پہنتا رہا، ہمارے تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا، ہمارے روابط دن
بدن بڑھتے رہے ہمارا دلی لگاؤ، یوماً فیوماً کہیں سے کہیں پہونچتا رہا، ہمارا
میل بڑھتا رہا، اتنا بڑھ گیا کہ ہم بھی اس کی تھاہ نہ پا سکے،
باسو نے کھلے لفظوں میں محبت کا اظہار مجھ سے کبھی نہیں کیا، لیکن آنکھوں
کا پیام زبان کے پیام سے زیادہ پر اثر ہوتا ہے، یہ پیام میں ہر روز
پڑھتی تھی، میں نے بھی اپنے دل کی آگ اس کے سامنے کبھی روشن

نہ کی، لیکن اس کی لپٹیں، برابر شعلہ بن بن کر اس تک پہونچتی رہیں،
مجھے خوب یاد ہے، ایکدفعہ کسی بات پر میں باسو سے بگڑ گئی تھی، اور
میں نے بول چال بند کر دی تھی، اس نے رو رو کے اپنی آنکھیں سجھائی تھیں
آخر مجھے اس پر ترس آیا، اور میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی، میرا مسکرانا
تھا، کہ غم کے بادل چھٹ گئے، اور خوشی کا سورج چمکنے لگا، وہی آنکھیں
جن سے غم کے آنسو بہ رہے تھے، اب خوشی کی شراب چھلکا رہی تھیں اسوقت
میرے دل نے مجھ سے کہا تھا، دیکھ باسو تجھے کتنا چاہتا ہے؟
مجھے وہ دن بھی یاد ہے، جب میں کالج بند ہو جانے کے بعد، چاچا جی
کے ہاں بنارس جا رہی تھی، اسٹیشن پر باسو بھی مجھ سے ملنے آیا تھا، اسنے پوچھا،
"کب آؤ گی شانتی"؟ میں نے بے رخی سے جواب دیا "جب جی چاہے گا"! یہہ
جواب سنکر وہ اداس ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا، اب رویا ہی چاہتا ہے!
پھر میں نے کہا "تمہیں میرے آنے کی فکر کیوں ہے"؟ اس کا اس نے کچھ جواب
نہیں دیا، میری طرف دیکھا، اور آنکھیں جھکا لیں، یہ دیکھ کر میں نے
اس سے دریافت کیا، "کہو تو گاڑی سے اتر پڑوں نہ جاؤں"؟ اس نے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا "ضرور جاؤ لیکن آنے
میں دیر نہ کرنا" میں نے اس کا یہ پیام شوق، محبت کی آنکھوں سے پڑھا اور
اسے مطمئن کر دیا، "دیکھ لینا ایک ہی ہفتہ کے اندر آجاؤں گی"، یہ سن کر
وہ ایسا خوش ہوا، جیسے اسے ہفت اقلیم کی بادشاہت مل گئی، پھر جب
میں ایک ہفتہ کے بعد سچ مچ واپس آگئی، تو دفور مسرت سے اسکا چہرہ گلنار
بنا ہوا تھا،
بی اے تک ہم دونوں اسی طرح، پریم کا کھیل کھیلتے رہے، ایم اے

میں جب ہم پہونچے تو مرنالنی، بی اے میں آکر داخل ہوئی، تیز، طرار، خوبصورت خوب سیرت، شوخ، الہڑ، نازک مزاج، نازک طبع، چہرہ جیسے گل تر، باتیں فردوس کا نغمہ، آواز جیسے کوئل کی کو، آنکھیں جیسے شراب سے بھرے ہوئے کٹورے، شریر لیکن معصوم، معصوم لیکن شوخ، طرحدار لیکن باحیا، باحیا لیکن طرحدار،

مرنالنی اور باسو ایک دوسرے ملے، اور اس طرح ملے، جیسے دو مدت کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں، دونوں ایک دوسرے سے کتنے دور تھے لیکن قریب ہوئے، تو قریب ہوتے چلے گئے، اور دونوں آکر اس طرح مل گئے، جیسے گنگا اور جمنا کا سنگم،

میں نے دیکھا، باسو، مجھ سے اب بھی ملتا ہے، لیکن کھنچتا بھی ہے، اب بھی میرا لحاظ کرتا ہے لیکن اس میں بے تکلفی سے زیادہ مروت کو دخل ہوتا ہے، اب بھی میچ میں مجھ سے ہار جاتا ہے، لیکن ایک فاتح کی طرح! اس کی آنکھیں اب بھی میری طرف اٹھتی ہیں، لیکن فوراً جھک جاتی ہے جیسے اس نے کوئی جرم کیا ہو، اور ندامت کے مارے آنکھیں چار نہ کر سکتا ہو،

میں مرنالنی کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی، اس غریب کی کیا خطا تھی، میں باسو کو بھی کچھ دوش نہیں دیتی، دل پر کس کا بس چلتا ہے؟ میں اپنے تئیں بھی ملامت نہیں کر سکتی، میرا دل میرے قابو میں کب ہے؟

میں اب بھی باسو کو چاہے جا رہی ہوں، کیوں؟ جب وہ مجھے نہیں چاہتا تو میں اس کے پریم میں کیوں ہلکان ہوئی جا رہی ہوں؟ جب وہ میری پروا نہیں کرتا، تو میں کیوں اس کے دھیان میں اپنا وقت گزار دیتی ہوں؟ جب وہ مجھ سے لگاؤ نہیں رکھتا، تو میں کیوں اس کے پریم کی آگ میں سلگتی

جا رہی ہوں، میں بھی کیوں نہیں کسی اور سے دل لگاتی؟ میں بھی کیوں نہیں کسی اور کو تاکتی! میں بھی کیوں نہیں باسو کو بھول جاتی،؟

لیکن میں نے غلطی کی، مرد مرد ہے، اور عورت عورت، مرد کا پیشہ یہ ہے کہ نئے نئے عشق کرتا رہے، اور عورت کا دھرم یہ ہے کہ ایک دفعہ جسے پیار کی نگاہ سے دیکھ لے، پھر زندگی بھر اسی کو پوجتی رہے،

میرے دل سے اب باسو کی محبت نہیں نکل سکتی، لیکن دل پر مجھے اتنا قابو ضرور ہے کہ میں اپنی محبت کو ظاہر کر کے باسو کا مزا کرکرا نہ کروں، مرنالنی کی جنت کو جہنم نہ بناؤں، وہ مجھے دل سے چاہتی ہے، میں بھی اس سے بہت پریم کرتی ہوں، وہ نیک ہے، اس کے اندر سچائی ہے، بل ہے،

میری زندگی نے تو جلنا، اور جل جل کر مرنا سیکھا ہے، میں جل جل کر مروں گی، لیکن اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کروں گی، اس راز کی حفاظت کے لئے میں بابو جے نرائن سے شادی بھی کروں گی، اور ان کے دکھانے کو، صرف انہی کے دکھانے کو نہیں بلکہ، باسو کے دکھانے کو، مرنالنی کے دکھانے کو، تیاجی کے دکھانے کو، ساری دنیا کے دکھانے کو، خوشی کی زندگی بھی بسر کروں گی، سب کے سامنے ہنسوں گی، اکیلے میں روؤں گی دنیا کے سامنے مسکراؤں گی، تنہائی میں آنسو بہاؤں گی، سکھیوں اور سہیلیوں کے مجمع میں قہقہہ لگاؤں گی، رات کے اندھیارے اور دن کی خاموشی میں آہیں بھروں گی، میرا یہی کام ہے، مجھے یہی کرنا ہے،

تماشہ ختم ہوا، مرنالنی نے شانتی کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا،

"ارے کیا سو رہی ہو"؟

"نہیں تو"

"پھر کیا کر رہی تھی پگلی۔"

"خواب دیکھ رہی تھی"

"خواب"؟

"ہاں بڑا اچھا خواب"

"سنتے ہو بابو"؟

"ہاں مرنالنی، اب چلو، دیر ہو رہی ہے۔ یہاں زیادہ باتوں کا موقع نہیں ہے۔"

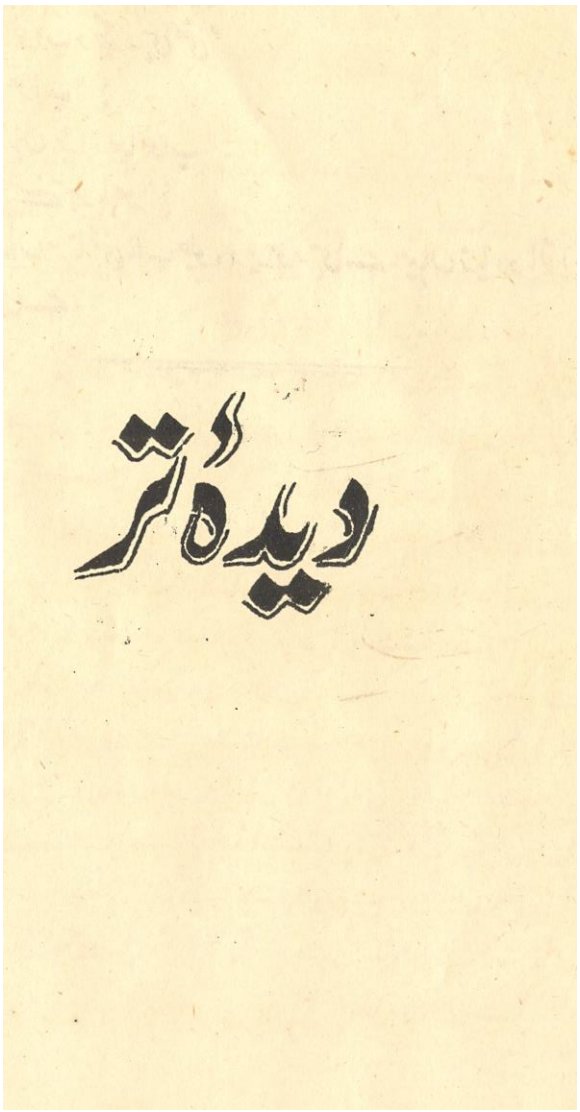

دیدۂ تر

(۱)

سارا گھر خوشی کے نغموں سے گونج رہا تھا، ہر چیز ہنستی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، ثریا کا کمرہ دلہن بنا ہوا تھا، وہ خود بھی آج دلہن بننے والی تھی، سکھیاں اور سہیلیاں ہفتوں پہلے سے مہمان تھیں، انھوں نے چھیڑ چھیڑ کر ثریا کا ناطقہ تنگ کر دیا تھا، خود ثریا بھی بے انتہا خوش تھی، اس نے آج سے کئی برس پہلے ایک تقریب میں مسعود کو دیکھا تھا، اس دن سے آج تک وہ اس کی یاد اپنے دل سے نہ بھلا سکی، جب اس کے تصور میں مسعود کا نقشہ آتا، وہ اپنے دل میں کسک سی محسوس کرتی، میٹھا میٹھا درد اور درد بھی کبھی کبھی لذت آفریں ہوتا ہے ثریا کا درد ایسا ہی تھا، پھر جب اسنے سنا کہ مسعود اس کا شریک زندگی بننے والا ہے، تو اس کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھلنے لگا، جسے ایک دفعہ دیکھ کر وہ کبھی نہ بھولی، اسے پا کر، وہ کیسے یاد رکھے گی! نسبت ہوئی، نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی، سورج ہر روز مسعود کی ہم نشینی کا پیام دیتا ہوا طلوع ہوتا تھا، ہر شام مسعود کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی مسرت کو کچھ اور زیادہ قریب کر دیتی تھی، کسی اور بات پر سکھیاں سہیلیاں اسے چھیڑتی تھیں، تو وہ برابر کی

چوٹ لڑتی تھی، لیکن مسعود کا نام لیکر جب وہ اسے چھیڑتیں تو وہ "اے واہ" ہم نہیں بولیں گے" "ہمیں یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں" کہہ کر خاموش ہو جاتی۔ اس کے اس بناوٹی غصہ اور بے تعلقی اظہار میں جو لگاؤ، جو انبساط پوشیدہ تھا، اسے شاید اس کی سہیلیاں بھانپ گئی تھیں، اسی لئے انہوں نے سارے موضوع چھوڑ رکھے تھے، بس یہی ایک موضوع باقی رہ گیا تھا،

آج سویرے سے وہ دلہن بنائی جا رہی تھی، لیکن نہیں بن چکتی تھی نسیمہ آئی اور اس کی چوٹی گوندھنے لگی، قیصر نے دیکھا تو ناپسند کیا، اور خود نسیمہ کو ہٹا کر اس کے لمبے لمبے بالوں میں کنگھی کرنے لگی، ساجدہ نے کیا کیا اس کے ماتھے پر بندی لگا دی، وہ پہلے ہی کچھ کم خوبصورت نہیں تھی، لیکن اس بندی نے اس کے حسن کو اور زیادہ چمکا دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے خوبصورت انگشتری میں کسی نے نگینہ جڑ دیا ہو،

چوٹی گوندھتے گوندھتے قیصر نے کہا،

"اب تو بیگم صاحبہ کے دماغ بھی نہیں ملیں گے"

"اور کیا اب تو یہ ہاتھ سے نکل گئیں" نسیمہ نے کہا۔

"ہاتھ سے؟ یہ تو آج گھر سے نکلی جا رہی ہے ذرا دیدہ تو دیکھو اس چھوکری کا" شاکرہ نے تعجب کی کیفیت اپنے ہونٹوں اور ماتھے پر پیدا کر کے کہا،

"پھر وہی باتیں؟ ہم جاتے ہیں" ثریا بولی،

"ابھی سے؟" نسیمہ نے کہا

"ذرا شام تو ہونے دو" سائرہ بولی۔

اس فقرے پر تمام سکھیاں ہنس پڑیں، ثریا نے اپنی ادھ گندھی چوٹی

قیصر سے چھین لی، کہنے لگی، "چلو ہٹو"!

"روٹھ گئیں مہارانی"؟

"معاف کردو ہماری خطا"

"توبہ بھئی اب نہیں کریں گے ایسی غلطی"

"یا اللہ کہیں انھیں سکتہ تو نہیں ہوگیا یہ بولتی کیوں نہیں بلاؤ بڑے حکیم صاحب کو"

"یہ پڑھے جن ہیں، ایسے نہیں بولیں گے"

"پھر کیسے بولیں گے یہ"!

"ان کے لئے، بہت بڑا عامل چاہیئے"!

"کیوں ملاسیانے سے کام نہیں چلیگا"؟

"نا بابا عامل چاہیئے، عامل، بہت بڑا عامل"

"تو لاؤ نہ کسی کو ڈھونڈھ کر"

"ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو گھر ہی میں موجود ہے"

"وہ کون"؟

"مسعود"

یہ نکتہ چینیاں ہو رہی تھیں، اور ثریا خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی کہ غل مچا، قاضی صاحب آگئے،

تھوڑی سی دیر میں رسم نکاح پوری ہوئی، اور ثریا اپنے سسرال با چشم گریاں اور با دل شاداں روانہ ہوگئی!

(۲)

مسعود کا گھر بھی آج مسرت کدہ بنا ہوا تھا، ہر طرف چہل پہل، سارے
گھر پر رونق ہی رونق نظر آ رہی تھی،

دھوم مچی دلہن آ گئی، عورتیں اس کے استقبال کے لئے بڑھیں، پالکی
سے وہ ہاتھوں ہاتھ اتاری گئی، اور حجلۂ عروسی میں بہو بٹھا دی گئی،
حجلۂ عروسی میں وہ بہو بٹھی ہی تھی، کہ رونمائی کا سلسلہ شروع ہو گیا
یہ بی بی آئیں، منہ دیکھا، "کتنی پیاری صورت ہے" کا سرٹیفکیٹ دیا،
انہیں ہٹا کر وہ بیگم صاحبہ بڑھیں، چہرہ دیکھا، اور اظہار پسندیدگی فرمایا۔
یہ ابھی اپنے معائنہ سے فارغ نہیں ہوئی تھیں کہ بڑے گھر کی بہو آئیں،
انھوں نے بھی دلہن کا چہرہ غور سے دیکھا، ان کی نگاہ تنقید کے سب قائل
تھے، "آدمی کی بچی ہے" فرما کر خود ہٹ گئیں، ان کے یہ چند بول ہزاروں
آدمیوں کے قصیدوں سے بہتر تھے، ان کی نظر میں آج تک کوئی لڑکی نہیں
جچی، بڑی صاف گو تھیں، برادری کی ہر شادی میں شریک ہوتی تھیں،
اور فوراً اپنی بے لاگ رائے ظاہر کر دیتی تھیں، "ہے تو اچھی لیکن آنکھیں
تو دیکھو جیسے املی کے بیج" "اس لڑکی کا ماشاء اللہ بدن تو دیکھو جب اب
یہ حال ہے، تو برس دو برس میں تو صاحبزادی کے نکلنے کے لئے نیا دروازہ
بنانا پڑے گا"، "کیا اچھی اچھی کی رٹ لگا رکھی ہے، دانت ہیں اس
لڑکی کے یا کھتے کی چھچی"، یہ ان کے بندھے فقرے تھے، انہی میں سے
کوئی نہ کوئی فقرہ وہ ہر شادی کے موقعہ پر سر کر دیتی تھیں، ثریا کو
انہوں نے "آدمی کی بچی" کہہ کر بہت بڑا تمغہ عنایت کر دیا، گویا انہوں نے
یہی مان لیا کہ ہاں ثریا ہے کچھ!

بڑی دیر تک دلہن کا کمرہ مرکز ارباب نظر رہا، لیکن جب رات بھیگ

گئی، تو مجمع چھٹنے لگا، اب دولھا کے آنے کا وقت قریب آ رہا تھا،

محلۂ عروسی میں شروع میں تو ثریا اس طرح گھبرا رہی تھی، جس طرح کوئی نیا مریض کسی میڈیکل کالج میں بغرض علاج پہونچ جائے، ڈاکٹر اور طلبہ، اسپر ٹوٹ پڑیں، اور ہر زاویہ سے اس کا معائنہ شروع کر دیں، لیکن جب مجمع چھٹنے لگا، تو ثریا نے اطمینان کا سانس لیا، وہ اب ڈھکی چھپی بیٹھی تھی، لیکن اب اس کا دماغ کام کرنے لگا تھا، اس نے کمرہ میں چند معزز خواتین جو سرگوشیاں کر رہی تھیں، ان سے بے نیاز ہو کر کچھ اپنے اور اپنے نئے ماحول کے متعلق سوچنا شروع کیا،

وہ سوچ رہی تھی، میری سب سے بڑی آرزو پوری ہو گئی، مسعود میرا ہو گیا، میں نے اسے کبھی پاس سے نہیں دیکھا، میں کبھی اس کے پاس نہیں بیٹھی مجھ سے اُس سے کبھی خلا ملا نہیں ہوا، میں نے کبھی اطمینان سے اس کی باتیں نہیں سنیں، لیکن نہ جانے کیا بات تھی، ایک دفعہ اس کی جھلک دیکھی اور ہمیشہ کے لئے اس کی ہو گئی،

کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، یہ اگر سچ ہے تو ضرور مسعود کے دل میں بھی میرا خیال ہو گا، ضرور میری یاد میں اس کی نیند بھی حرام ہو جاتی ہو گی، ضرور پڑھتے پڑھتے، باتیں کرتے کرتے، کام کرتے کرتے اس کے دل میں میری یاد آ جاتی ہو گی، اور اس کے دل میں بھی ویسا ہی میٹھا میٹھا درد ہونے لگتا ہو گا، جیسا میرے ہوا کرتا ہے، وہ بھی میری یاد کو اتنا ہی عزیز رکھتا ہو گا، جتنا میں اس کی یاد کو عزیز رکھتی ہوں،

مسعود کی صورت میں کشش کیسی ہے، ایک دفعہ دیکھ لو تو نظر ہٹانے کا جی نہ چاہے، نسیمہ کیسی پارسا بنتی ہے، ایکدفعہ ہمارے ہاں مہمان بن کر

آئی، یہ مسعود ابّا سے ملنے آئے، اور باہر کے برآمدہ میں ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، سب سے پہلے اسی نے مجھے آکر خبر دی کہ مسعود آیا ہے، میں موقعہ دیکھ کر اٹھی کہ جاؤں پردہ کی آڑ سے دیکھ لوں، تو دیکھتی کیا ہوں، مجھ سے پہلے کی وہاں نسیمہ پہنچی ہوئی ہے، اور گھورے جا رہی ہے، میں کئی منٹ تک چپ چاپ کھڑی اس کا تماشہ دیکھتی رہی، جب میں نے کہا، "کیا کھا جاؤ گی" تب ہٹی، بد نظر کہیں کی، ہم تو نہیں دیکھتے کسی اور کو، کیوں دیکھیں ہمیں کوئی اچھا نہیں لگتا،

نہ جانے زندگی کیسے بسر ہو، کہتے ہیں محبت کی زندگی بالعموم یاس و حرماں پر ختم ہوتی ہے، ہوتی ہوگی، نہ جانے کیوں ہوتی ہوگی، ہماری محبت تو پاک ہے بے عیب ہے، اس کا انجام تو اچھا ہی ہوگا، مسعود کے طور طریقوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، ہنس مکھ ہیں، با اخلاق ہیں، غصہ تو لوگ کہتے ہیں انہیں آتا ہی نہیں، رحمدل ایسے ہیں کہ قربانی تک اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتے، پھر وہ میرا دل کیوں ٹھکرائیں گے، میں نے محبت کی ہے، کوئی خطا تو نہیں کی ہے، میں محبت کرتی ہوں، تو وہ بھی مجھ سے محبت کریں گے، انہیں محبت کرنی ہی چاہیئے،

وہمی تو میں ہمیشہ کی ہوں اب بھی طرح طرح کے وہم آ رہے ہیں، اماں کہتی تھیں، شریا سے بڑھ کر میں نے کوئی وہمی نہیں دیکھا، ہے تھوڑا بہت وہم، یہ تھوڑے ہی کہ ہر بات میں وہم کیا کروں، مسعود کے برتاؤ، اور رکھ رکھاؤ کی سب تعریف کرتے ہیں، میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس کی رفیقۂ زندگی بنا دی گئی، اونھ! اگر اسے مجھ سے محبت نہیں ہے، ہو سکتا ہے نہ ہو، تو بھی میں اس کی لونڈی بنکر رہوں گی، خدمت کروں گی،

سیوا تو وہ چیز ہے جو ہاتھی کو بھی رام کر دیتی ہے کیا وہ میری خدمت سے مجھے اپنے دل میں جگہ نہیں دیں گے؟

میں نے .. ..

دروازہ کھلا، ثریا نے نیم باز آنکھوں سے دیکھا، کمرہ خالی ہے مسعود آرہا ہے، اس کا دل دھڑکنے لگا، اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، رعب اور دہشت سے نہیں منظر کے نئے سین سے، ایسا کبھی ہوا تھا، کہ آدھی رات کو وہ کمرہ میں اکیلی لیٹی ہو اور کوئی مرد درانہ اس کے کمرہ میں آگیا ہو،

ان کیفیتوں پر غالب آکر، اس نے نیم باز آنکھوں سے دیکھا، مسعود دولھا بنا ہوا ہے، آج وہ اور دونوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خوبرو کہیں زیادہ حسین، کہیں زیادہ دلکش نظر آرہا تھا، لیکن اس کے چہرہ پر کچھ تکدر اور انقباض کے آثار تھے، اس کے مسکراتے ہوئے لب اسوقت سوکھے ہوئے سے تھے، اس کی مسرت ریز آنکھوں سے اسوقت افسردگی، ٹپک رہی تھی، یا میرے اللہ یہ کیا؟ کیا یہ اس شادی سے خوش نہیں ہیں۔ کیا انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے، ؟ کیا ان کے دل اس وقت مسرت کی لہریں نہیں اٹھ رہی ہیں؟ کیا ان کے بدن میں اسوقت سنسنی نہیں دوڑ رہی ہے؟ کیا ان کے جسم کے رونگٹے اسوقت کھڑے نہیں ہو رہے ہیں، یہ کیا؟ یہ کیوں؟

مسعود نے اچکن اتاری، بیگانہ روشی کے ساتھ، ثریا کے پاس آیا کھڑے کھڑے پوچھا "کیا سو گئیں"؟ ثریا خاموش رہی، مسعود نے کہا میں بھی بہت تھک گیا ہوں، نیند آرہی ہے سوتا ہوں" یہ کہہ کر اسنے

کمبل اٹھایا، سامنے کے صوفے پر جاکر لیٹ گیا، سو گیا یا کروٹیں بدلتا رہا یہ کون جانے؟

ثریا کی آنکھوں میں نیند کہاں؟ اس نے مسعود کو آتے دیکھ کر اپنے دل کی دھڑکنوں کو ساکت کر کے کہا،

"اللہ یہ وہی ہیں جن کو ترس گئی ہوں"؟

لیکن اس کی بیگانہ وشی دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی،!

رات بیت گئی، لیکن یہ دولھا دلہن ایک دوسرے سے اتنے قریب ہونے کے باوجود بہت دور رہے،

(۳)

دن گزرتے رہے، ہفتے! مہینے! سال!

مسعود اور ثریا میں میاں بی بی کا رشتہ قائم تھا لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے آج بھی اتنے ہی دور تھے، جتنے شادی کی پہلی رات کو،

گھر کی منتظم ثریا تھی، گھر کا سارا کام اسی کے چشم و ابرو پر منحصر تھا وہ صحیح معنوں میں گھر کی مالک و مختار تھی، لیکن مسعود سے اس کے تعلقات بہت ہی محدود تھے، رسمی گفتگو لوگوں کے سامنے خوب ہوتی تھی، دل کی باتیں، محبت اور تعلق خاطر کی باتیں، رفق و ربط کی باتیں ہمیشہ تنہائی میں ہوتی ہیں، جہاں ایک کہہ رہا ہو، اور دوسرا سن رہا ہو، لیکن یہ تنہائی ان دونوں کو کبھی نہ ملی، ثریا بڑی مزاج شناس بھی تھی، اس نے مسعود کے تیور دیکھ لئے، اور بڑھتے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لئے اس نے خود بھی ایسا موقعہ آنے نہیں دیا، کہ مسعود سے تنہائی میں ملاقات

ہو، اور وہ بغلیں جھانکنے لگے، کھوسا جائے، اس کے چہرہ پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہو جائیں، شاید اس لئے کہ اسے مسعود پر ترس آتا تھا، اور وہ اس کی کیفیت دیکھ نہیں سکتی تھی، یا شاید اس لئے کہ وہ خود دار تھی اور اسے اپنی خود داری کے منافی سمجھتی تھی، کہ مسعود اس سے کھنچے اور وہ اس کی طرف لپکے، سبب کوئی بھی ہو، واقعہ یہی تھا کہ یہ دونوں قریب تر ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت دور تھے،

ثریا کے چہرہ پر آرزو کا اضطراب نہیں تھا، مردانہ عزم کا پرتو اس کے چہرۂ پر نور پر جھلک رہا تھا، جس طرح کسی نے اسے شادی کے بعد کبھی ہنستے نہیں دیکھا، اسی طرح اسے کسی نے روتے بھی نہیں دیکھا، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کی آنکھیں مستقل طور پر اشک آلود سی رہتی تھیں، اگرچہ خود اسے اس کا اعتراف نہیں تھا، بارہا نسیمہ، یا سائرہ یا کسی اور سہیلی نے پوچھا، اسنے "نہیں جھوٹ" کہا، اور گفتگو کا موضوع بدل دیا،

ایک بات اور بھی تھی، وہ مسعود کی نہ برائی کسی سے کرتی تھی، نہ سنتی تھی، کسی کی مجال نہیں تھی، کہ اس کے سامنے مسعود کو برا کہہ سکے،

ہر گھر میں کچھ ایسے نفوس قدسی موجود ہوتے ہیں، جو فتنہ انگیزی کے فن لطیف میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، یہ آنریری جاسوس کے فرائض بڑی سعادت مندی سے انجام دیتے ہیں، اور "لگائی بجھائی" کے سلسلہ میں ایسے ایسے انکشافات کرتے ہیں کہ سنئے اور سر دھنئے، اس گروہ میں زیادہ تر حضرت حوّا کی صاحبزادیاں شامل ہوتی ہیں،

چنانچہ گھر کی بعض خواتین محترم نے غایت درجہ ہمدردی اور شفقت کے لہجے میں آنکھوں میں آنسو اور آواز میں لرزش پیدا کر کے مسعود کا

"کچا چٹھا" ایک سے زائد بار ثریا کے گوش گزار کیا، لیکن اس نے یا تو سنی کی ان سنی کر دی، یا سختی سے منع کر دیا، کہ میں اس طرح کی باتیں سننا نہیں چاہتی، یہ سب دشمنوں کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں، وہ جتنے اچھے اور جیسے نیک ہیں، میں جانتی ہوں، اچھا وہ برے سہی، رنڈی باز سہی، آوارہ اور بدمعاش سہی، چھپے رستم اور رنگے سیار سہی، تارا کے عاشق اور شہزادی کے مجنوں سہی، لیکن میرے شوہر ہیں، میرا فرض ہے کہ ان کی خدمت کروں، میرا یہ کام نہیں ہے کہ ان کی برائیاں سنوں۔ ثریا کے اس رویہ نے جاسوسوں کی رضاکارانہ سرگرمیوں کو تقریباً معدوم کر دیا،

(۴)

مسعود کو نمونیہ ہو گیا، بہت جلد اس نے ڈبل نمونیہ کی صورت اختیار کر لی، بہتر سے بہتر علاج کیا گیا، قیمتی سے قیمتی دوا استعمال کرائی گئی، ثریا کھانا پینا، سونا، آرام کرنا، اپنے اوپر حرام کر لیا، ہر وقت مسعود کی چارپائی کے پاس بیٹھی ہے، اور نگاہ حسرت سے اسے دیکھ رہی ہے، جس طرح ایک نقاش بڑی محنت اور عرق ریزی سے اپنا سارا ہنر صرف کر کے ایک مجسمہ بنائے، اور وہ کسی طرح گر کر ٹوٹ جائے، اور وہ اس کے ٹکڑوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر رہ جائے، یہی کیفیت اس وقت ثریا کی تھی، اس نے اپنی ساری زندگی قربان کر کے اپنی آرزوؤں کا ایک مجسمہ تیار کیا تھا، اور وہ قدرت کے ہاتھوں چکنا چور ہوا جا رہا تھا، مسعود نے بڑی جوانمردی سے موت سے کشتی لڑی لیکن آیا ہوا وقت ٹلتا نہیں، کوئی حکیم اور کوئی ڈاکٹر اسے موت کے پنجے سے نہ چھڑا سکا۔

یہ حادثہ بڑا زبردست تھا، سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا، ہر شخص مسعود کے حسن اخلاق، مہربانی، اور شرافت کے برتاؤ کو یاد کر کر کے رو رہا تھا لیکن ثریا اب بھی نہیں روئی، اس کی آنکھیں حسب عادت ڈبڈبائی ہوئی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا، وہ اب رو یا ہی چاہتی ہے، اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکا ہی چاہتے ہیں، لیکن ڈبڈبائی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا، چشم اشک آلود سے شبنم کا کوئی موتی نہیں گرا، جن کا ظرف چھوٹا ہوتا ہے وہ چھلک جاتا ہے، جن کا ظرف وسیع ہوتا ہے وہ کبھی نہیں چھلکتا۔

تعزیت کے سلسلہ میں بہت سے لوگ آئے، نسیمہ اور سائرہ بھی آئیں، انہوں نے ثریا کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ رونے لگیں، ایک روز نسیمہ نے کہا، "ثریا رو لو، جی بھر کر رو لو، اس سے دل ہلکا ہو جائے گا"

ثریا نے کہا۔ "آنکھوں میں آنسو کہاں ہیں روؤں کیسے"؟

"اب تو رونا بھی مرے دیدۂ تر بھول گئے"

نسیمہ نے کہا، "بہن! اس طرح مر جاؤ گی"

ثریا نے بڑے استقلال سے چہرہ پر کسی کیفیت کا اظہار کئے بغیر کہا۔

"تم مجھے زندہ کیوں سمجھ رہی ہو"؟

نسیمہ رونے لگی، سائرہ کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے، لیکن ثریا کے دیدۂ تر سے کوئی آنسو نہ ٹپکا!

آخری فیصلہ

(۱)

دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، کالج بھر جانتا تھا کہ کیلاش، منورما کو چاہتا ہے، اور منورما بھی اگر کسی کی طرف مائل ہے تو وہ خوش قسمت کیلاش ہی ہے،

دن گزر رہے تھے، اور ان دونوں کی محبت بڑھ رہی تھی، محبت ایک طوفان کی طرح آتی ہے، طوفان، نشیب و فراز نہیں دیکھتا، محبت بھی اس امتیاز سے بالا ہوتی ہے طوفان اپنا راستہ خود معین نہیں کرتا ہے، وہ خود بخود ایک طرف کو ہو لیتا ہے، اور جدھر جاتا ہے چھا جاتا ہے، یہی حال محبت کا ہے، وہ بھی اپنی منزل متعین نہیں کرتی، جب چلتی ہے، تو چلتی رہتی ہے، نہ جانے کہاں پہونچ جائے، نہ جانے کہاں مقام کرے؟ نہ جانے کس دل کو اپنا نشیمن بنالے، طوفان غریب اور امیر کو نہیں دیکھتا حسین اور بدصورت کو نہیں دیکھتا، پست اور بلند کو نہیں دیکھتا، وہ سب کو بہا لیجاتا ہے، یہی حال محبت کا ہے، محبت بھی ان تعینات میں سے کسی کی خوگر نہیں ہے، اس کے سامنے سب یکساں ہیں، وہ کسی قانون کسی نظام کسی ضابطہ اور کسی شعار کی پابند نہیں ہے،

کیلاش، اور منورما کی محبت بھی ایسی ہی تھی، یہ دونوں سماج کے باغی تھے، یہ کسی اصول کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہیں تھے اور اس اصول کے قائل تھے جو ان کی محبت سے نہ ٹکراتا ہو، ان دونوں کے درمیان، ایک بہت بڑی خلیج حائل تھی، دونوں ذات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ تھے لیکن دونوں کے دل قریب تھے، اس لئے، دونوں کا یہ فیصلہ تھا، کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ دیں گے، اور قدرت کے بنائے ہوئے قانون کو تسلیم کرلیں گے، سماج کی پابندیاں انسان کی عائد کی ہوئی ہیں، اور محبت کا پودا قدرت پروان چڑھاتی ہے،

(۲)

منورما کالج سے سائیکل پر سوار ہو کر اپنے گھر جا رہی تھی، کالج کے حدود سے وہ نکل چکی تھی، کہ پیچھے سے اس نے سائیکل کی گھنٹی کی آواز سنی، مڑ کر دیکھا، تو کیلاش آ رہا تھا، کیلاش کی صورت میں کوئی کشش نہیں تھی، بلکہ اگر غیر جانبداری کیساتھ ٹھنڈے دل سے اسپر تبصرہ کیا جائے، تو بے تامل کہا جا سکتا ہے، کہ وہ کافی حد تک بدصورت تھا، لیکن منورما اسے دیکھتے ہی پھول کی طرح کھل گئی، اس نے پوچھا،

"کدھر کا ارادہ ہے"

کیلاش اپنی سائیکل قریب لے آیا، اس نے کہا۔

"تمہارا تعاقب کر رہا ہوں"

"کیوں کیا میں بھاگی جا رہی ہوں"؟

"عورت کا بھروسہ کیا"؟

"مردوں کے بارے میں یہی خیال ہم عورتوں کا ہے۔"

سامنے سبزہ زار تھا، کیلاش نے کہا آؤ کچھ دیر یہیں بیٹھیں، منورما سائیکل سے اتر پڑی، کیلاش نے اپنی اور اس کی سائیکل ایک درخت سے ٹکا دی اور سامنے ہی دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے،

کیلاش نے پوچھا۔

"منورما اس محبت کا انجام کیا ہوگا؟ کیا تم نے کبھی یہ سوچا"؟

"اکثر سوچتی رہتی ہوں"

"پھر"

"پھر کیا یہی کہ، محبت نہ پیدا کئے سے پیدا ہوتی ہے، نہ مٹائے سے مٹتی ہے"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا"؟

"یہ بھی ہمارے ہاتھ میں ہے"

"وہ کیونکر"؟

"وہ اس طرح کہ ہم سماج کی پابندیاں تسلیم کرنے سے انکار کردیں اور وہی کریں جو ہمارے دل کا فیصلہ ہے۔"

"کیا تم اس پر تیار ہو"؟

"مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنی کہو"

"کیا تم مجھے کمزور سمجھتی ہو"؟

"نہیں یہ بات تو نہیں ہے"

"پھر کیا بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ مرد اکتاتے جلدی ہیں، اسی لئے وہ جم کر کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے۔"

"میں تم سے اکتا سکتا ہوں"؟

"شاید"

"منورما یہ نہ کہو، تم نے اگر اس وقت مجھے کوئی گالی دے لی ہوتی تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا، جتنا تمہارے اس ایک لفظ سے ہوا ہے"

"میں تمہیں صدمہ نہیں پہونچانا چاہتی، اگر تمہیں تکلیف ہوئی ہے، تو میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں"

"منورما"؟

"کہو کیلاش"!

"تمہیں میری محبت پر شبہ ہے"؟

"بالکل نہیں"

"پھر یہ اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں"؟

"کیلاش تم اتنے حساس کیوں ہو"؟

"نہ جانے کیوں، لیکن اب میں رات بھر نہیں سوؤنگا، تمہاری یہ باتیں یاد آ آ کر میرے دل کو برماتی رہیں گی"

"میں نے کچھ کہا بھی ہو"

"میں تم سے صرف ایک بات پوچھتا ہوں"

"ضرور پوچھو"

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو"؟
"دل و جان سے"
"میری محبت پر تمہیں بھروسہ ہے"؟
"پرماتما سے زیادہ"
"تم میری بننے کو تیار ہو"؟
"میں تو تمہاری بن چکی"
"اگر سماج آڑے آئی"
"اسے ٹھکرا دوں گی"
"اگر گھر والوں نے اودھم مچایا"
"ان سے لڑوں گی"
"اگر ماں باپ خفا ہوئے"
"ان کی خفگی سہ لونگی"
"اگر تمہیں ترک محبت پر مجبور کیا گیا"
"ہرگز نہیں جھکوں گی"
"منورما اب میرا دل مطمئن ہے"
"لیکن مجھ میں بھی پوچھنا چاہتی ہوں"
"ہاں ہاں شوق سے"
"خفا تو نہیں ہو گے"؟
"بالکل نہیں"

"میں ڈرتی ہوں کہیں تم پیچھے نہ ہٹ جاؤ"

"یہ اندیشہ کیوں"؟

"وجہ نہیں بتا سکتی، دل دھڑکتا ہے"

"تم تو کہتی ہو، پرماتما سے زیادہ تمہیں مجھ پہ بھروسہ ہے"؟

"یہ بھی سچ ہے"

"اور وہ بھی سچ ہے"؟

"ہاں"

"نہیں منورما، دونوں باتیں سچ نہیں ہو سکتیں"

منورما نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ اس وقت کچھ کھوئی کھوئی سی تھی، کیلاش نے بھی جواب پر اصرار نہیں کیا، منورما کی نظریں سبزۂ زمرّیں پر جمی ہوئی تھیں، اور کیلاش کی نظر کبھی منورما کے چہرہ پر پڑتی تھی، اور جم کر رہ جاتی تھی، کبھی وہ اپنے سائیکل کے پہیے کو گھورنے لگتا تھا، دونوں اسوقت کچھ سوچ رہے تھے،

(۳)

منورما کالج سے واپس آئی، ہاتھ منہ دھو کر ناشتہ کیا، ریکیٹ ہاتھ میں لے کر ٹینس کھیلنے کے ارادہ سے باہر نکلی، دروازہ پر پتاجی ملے انہوں نے کہا۔

"منورما مجھے تم سے کچھ کہنا ہے"

"کہئے پتاجی"

"اندر آؤ"

"منورما ان کے ساتھ ساتھ اندر آئی، اس کی لٹیں چہرہ کو آ آ کر چوم رہی تھیں، وہ سادگی اور معصومیت کی تصویر اس وقت معلوم ہو رہی تھی

پتاجی نے کہا

"منورما، کیلاش کے بارے میں میں نے جو کچھ سنا ہے سچ ہے"؟

"کیا سنا ہے آپ نے"؟

"یہ کہ تم دونوں میں محبت ہے"؟

منورما کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے نیچی نظر کئے ہوئے جواب دیا،

"سچ ہے"!

"تم کیلاش سے محبت کرتی ہو"؟

"ہم دونوں محبت کرتے ہیں"

"آج معلوم ہوا تم بے حیا بھی ہو، میرے سامنے اعتراف محبت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی"

"آپ ہی نے تو پوچھا تھا پتاجی"

"کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ کیلاش سے تمہاری شادی ہو جائے گی"

"کیا میرا یہ خیال غلط ہے"؟

"بالکل غلط"

"کیوں؟ کس لئے"؟

"میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ کیلاش میرا داماد بنے، ہمارے گھر

"یہ بھی غلط، منورما نے آج تک میری بات نہیں دیکھی، میں جس کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ پکڑا دونگی اس کے ساتھ زندگی تیر کر دے گی، تم میری لڑکی کو سمجھتے کیا ہو"؟

یہ کہہ کر بڑی امید اور پیار سے ماتا جی نے منورما کی طرف دیکھا اور اس کی ٹھوڑی کو اپنے جھریوں پڑے لرزتے ہاتھ میں لیکر پوچھا، کیوں بیٹی ہے نا یہی بات"

منورما نے کچھ جواب نہ دیا، ماں کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی، ماتا جی نے، اسے گلے سے لگا لیا، پیار کیا اور اپنے ساتھ لئے ہوئے چلی گئیں۔

(۴)

رات کا وقت ہے، چاندنی چھٹکی ہوئی ہے، ایک تالاب کے کنارے کیلاش اور منورما میں باتیں ہو رہی ہیں، دونوں بالکل پاس پاس بیٹھے بیٹھے ہوئے ہیں، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے پتہ کھڑکنے کی آواز بھی نہیں آتی،

"پھر کیا ہوگا منورما" کیلاش نے پوچھا،

"تم بتاؤ منوہر" منورما نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو بہت برا ہوا"

"سماج کی پوجا کرنے والوں سے اور امید ہی کیا تھی"

"کیا پتا جی کسی طرح راضی نہیں ہو سکتے"؟

کی کوئی لڑکی آجتک کسی غیر گھر میں نہیں گئی ہے، تو بھی نہیں جاسکتی، تیری شادی کیلاش سے نہیں ہوسکتی، ہرگز نہیں ہوسکتی، منوہر سے ہوگی، وہ خوبصورت ہے تعلیم یافتہ ہے، دولت مند ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارا خون ہے"،

"لیکن مجھے اس سے نفرت ہے"

"تجھے اس سے محبت کرنی پڑے گی"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے پتاجی"؟

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ منورما کی ماتاجی آگئیں، انہوں نے پوچھا،

"کیا بات ہے"؟

"دیکھو اس چھوکری کو"؟

"کیا کیا اس چھوکری نے"؟

"کالج کے لونڈوں سے عشق بازی ہو رہی ہے"

"جھوٹ میری منورما ایسی نہیں ہے"

"وہ مجھ سے اقرار کر چکی ہے"

"تم جھوٹے ہو، وہ اتنی بھولی ہے کہ جانتی نہیں محبت کسے کہتے ہیں پریم کیا ہوتا ہے"؟

"میں نے اس کے خطوط دیکھے ہیں"

"وہ کسی اور کے ہونگے"

"یہ منوہر سے شادی نہیں کرنا چاہتی"

"ہرگز نہیں"

"کوشش تو کرو"

"اب میں کوشش بھی نہیں کر سکتی"

"یہ کیوں"؟

"ماتا جی جو بیچ میں ہیں"

"تو کیا ہوا"؟

"وہ اگر یہ سنیں گی کہ میں تمہیں چاہتی ہوں، منوہر سے نفرت کرتی ہوں تو مر جائیں گی، اور ان کا مرنا میں نہیں دیکھ سکتی"

"تمہیں اپنے پچھلے دعوے یاد ہیں"؟

"ہاں، ایک ایک"

"پھر اب تم پیچھے کیوں ہٹ رہی ہو"؟

"میں کبھی پیچھے نہیں ہٹ سکتی"

"تمہاری یہ کمزوری میری زندگی برباد کر دیگی"

"محبت کرنے والوں کو زندگی نہیں عزیز ہوتی"

"اسوقت تم بہت فلسفیانہ باتیں کر رہی ہو"

"میں نے آخری فیصلہ کر لیا"

"کیا کیا فیصلہ"

"میں شادی نہیں کروں گی"

"تم شادی نہیں کرو گی"؟

"نہیں کسی سے نہیں، تم سے بھی نہیں"

"وجہ؟"

"میری آنکھیں ماتاجی کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتیں"

"اگر منوہر سے تم نے شادی نہ کی تب بھی وہ روئیں گی"

"ہاں، لیکن میرے سامنے نہیں"

"یعنی "میرے مرنے کے بعد"!

"پھر تم نے ایک معمّہ پیش کر دیا"

"میرے آخری فیصلہ کا ایک دوسرا ٹکڑا بھی ہے"

"وہ کیا"؟

"خودکشی"

"کیا کہہ رہی ہو منورما"؟

"سچ کہہ رہی ہوں کیلاش"

"اس سے کیا حاصل"؟

"آتما کا سکھ"

دونوں بڑی دیر تک پاس پاس بیٹھے رہے، لیکن دونوں کے لبوں پر مہر سکوت لگی ہوئی تھی، دونوں کوئی آخری فیصلہ کر رہے تھے

(۴)

رات کو آٹھ بجے منورما ماتاجی کے پاس گئی

"ماتاجی"؟

کیلاش کچھ جھیپ سا گیا، دونوں ساتھ ساتھ چلے، اور وہی کل والی جگہ پر لیٹ گئے،

"منورما نے کیلاش سے پوچھا،

"کہو تم نے بھی کوئی فیصلہ کیا؟"

"آخری فیصلہ؟"

"ہاں آخری فیصلہ"

"کر لیا"

"ذرا ہمیں بھی سناؤ"

"وہ کوئی شعر نہیں ہے جو تمہیں سناؤں، وہ فیصلہ ہے اور وہ ہو کر رہے گا۔"

"آخر کچھ تو"

"وہی جو تم نے کیا ہے"

"خودکشی"

"ہاں"

"پھر الگ الگ کیوں؟ ساتھ ساتھ کیوں نہیں"؟

"اسی تالاب میں"

"ہاں یہ ہم جیسے نامرادوں کو اپنی گود میں سلا سکتا ہے۔"

"میں تیار ہوں منورما"

"پھر دیر کاہے کی"

"کہو بیٹی"

"میں سنیما دیکھنے جا رہی ہوں"

"اکیلی"

"نہیں روپ لیکھا بھی تو جائے گی"

"کہاں ہے وہ"؟

"میں اسی کے ہاں جا رہی ہوں، وہاں ہماری دوسری سکھیاں بھی آئیں گی، اور ہم سب ساتھ ساتھ سنیما جائیں گے"

"اتنی رات گئے آؤ گی کیسے"؟

"آ کے کیا کروں گی ماتا جی وہیں رہ جاؤں گی، پھر صبح صبح آجاؤں گی اپنی ماتا کے چرنوں کو چھونے"

یہ محبت بھرے بول سنکر ماتا جی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے انہوں نے کہا "جاؤ بیٹی"۔

منورما گھر سے نکل کر سڑک پر آئی، یہاں کیلاش اس کا منتظر کھڑا تھا، منورما نے کہا، "چلو وہیں چلیں"

"تالاب پر"

"ہاں، بڑی اچھی جگہ ہے، چاندنی میں اس کا ساکن پانی بڑا اچھا لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، چاندنی کی چادر بچھی ہوئی ہے،"

"تم شاعری کرنے لگیں منورما"

"(مسکرا کر) جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"۔

یہ کہہ کر، جھم سے منورما، تالاب میں کود پڑی اور اس کے پیچھے، کیلاش۔ تالاب کے ساکن پانی میں حرکت پیدا ہوئی، تھوڑی دیر تک تموّج کی کیفیت رہی، پھر وہی سکون، وہی سناٹا، وہی خاموشی!

(۵)

صبح کو اشنان کے لئے تالاب پر جب لوگ آئے، تو انہوں نے دیکھا، دو لاشیں تیر رہی ہیں، ایک مرد ہے، ایک عورت دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہیں،

جنہیں سماج نے نہ ملنے دیا، وہ مر کر مل گئے، اور ایسے ملے کہ اب کبھی جدا نہیں ہو سکتے!

تمام شُد

JAF & CO.
Plot # 43/4 Q-2. Block-6,
PECHS. Near Jheel Park
Karachi.

محمد اکبر، کاتب